نمازِ نبوی کی آسان شرح

(القول الواضح الجلي شرح رسالة كيفية صلاة النبي ﷺ)

مولف : عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ
شارح : ظافر بن حسن آل جبعان

ترجمہ : ابوہریرہ بشیر مدنی
مراجعہ : مصطفی بشیر مدنی

جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ ہیں

نام کتاب: نمازِ نبویﷺ کی آسان شرح

مترجم: ابوہریرہ محمد بشیر مدنی

مراجعہ: مصطفی بشیر مدنی

تنسیق وکمپوزنگ: عمر بشیر محمدی

سنِ اشاعت: جنوری ۲۰۱۸م

صفحات: ۱۷۰

ناشر: نورانی آفسیٹ پریس مالیگاؤں

ملنے کا پتہ

مصطفی بشیر مدنی جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں پوسٹ باکس نمبر ۱۴۴

ناسک مہاراشٹر، پن نمبر ۴۲۳۲۰۳، موبائل: ۸۶۲۴۰۵۳۲۵۳

بسم اللہ الرحمان الرحیم

ارشاد باری تعالی ہے:﴿ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا الزَّكَوٰةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴾[۱] نماز قائم کرو، زکاۃ دواور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے اتنے میں ایک شخص آیا،اس نے نماز پڑھی، نبی ﷺ کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیااور فرمایا:"واپس جاؤ نماز پڑھو،اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی ہے۔چنانچہ وہ چلا گیا،پہلے کی طرح نماز پڑھ کر دوبارہ آیا، نبی ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:"واپس جاؤ نماز پڑھو اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی ہے"یہی بات تین دفعہ کہی گئی۔تو اس آدمی نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا،میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا،لہذا آپ مجھے (صحیح طریقہ) سکھا دیجئے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب نماز کے لئے قیام کرو تو"اللہ اکبر" کہو اور قرآن میں سے جو کچھ یاد ہو اسے پڑھو،پھر رکوع کرو، یہاں تک کہ رکوع میں مطمئن ہو جاؤ، پھر سر اٹھاؤ،یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ،پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ سجدے میں مطمئن ہو جاؤ،پھر (سجدے سے) سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ،اور ایسے ہی اپنی پوری نماز مکمل کرو[۲]۔

---

(۱) [البقرۃ:۴۳]

(۲) (بخاری ومسلم)۔

تقریض

(از: مجلسِ علمی برائے موسسۃ خیریۃ ابن باز رحمہ اللہ)

الحمدُ لله وحده والصّلاةُ والسّلامُ على مَن لا نبيّ بعدَه، أمّا بعد:

مؤسسہ خیر یہ شیخ عبد العزیز بن باز کے لئے یہ علمی مادہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنا قابل مسرت ہے اور یہ سماحۃ الشیخ ابن باز رحمہ اللہ کے ایک رسالہ بنام "كيفيّةُ صلاةِ النبی ﷺ" کی وہ شرح ہے جسے برادر محترم شیخ ظافر بن حسن آل جبعان حفظہ اللہ نے تیار کیا ہے۔ موصوف نے اس رسالہ کی شرح پر قابل قدر عنایت کی، حدیثوں کی تخریج کے ساتھ ساتھ علماء کے اقوال کو انکے مصادر کی طرف منسوب کیا اور شیخ فہد بن عبد اللہ الصقعی نے اس کتاب کو مراجعہ کا شرف بخشا ہے۔ اللہ سب کی کاوشیں قبول فرمائے، انہیں بہتر بدلہ دے، اس تحریر کی افادیت دوچند کرے اور شارح محترم کے لئے اسے صدقہ جاریہ بنائے نیز ہمیں فردوس اعلی میں اکٹھا کرے، بیشک وہی اس پر قادر ہے۔ درود وسلام ہو ہمارے نبی محمد پر اور انکے آل واصحاب پر۔

اللجنة العلمية

فی مؤسسة الشيخ عبدالعزيز بن باز الخيرية

تقدیم

(فضیلۃ الشیخ دکتور سعد بن سعید الحجری)

الحمدُ للهِ الذی جعلَ الصلاةَ علی المومنِین کتاباً موقوتاً، وأشهدُ أن لا إلهَ إلا اللهُ وحدَه لا شریكَ له، الذی جعلَ للصلاةِ فی الجنةِ باباً مفتوحاً، وأشهدُ أنّ نبیّنا مُحَمَّد عبدُه ورسولُه – الذی کانت قرةُ عینِه فی الصلاةِ — کما حفظ علی الصلوةِ، وسجدت فیها الجباهُ، وعلی آله وصحبِه ومَن سلكَ طریقَه إلی یومِ الدین وبعد.

بلا شبہ نماز ایک عظیم عبادت ہے ،یہ بندے اور رب کے درمیان مناجات کا ذریعہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔یہ اللہ کے نزدیک سب سے بہتر عمل اور آقاء وغلام کے بیچ ایک مضبوط واسطہ،حاجت برآری کا ذریعہ،دعاؤں کی قبولیت کا باعث ،لغزشوں کے ازالے،گناہوں کی بخشش رفع درجات اور نیکیوں کے اضافہ کا سامان ہے۔یہ پہلا وہ عمل ہے جس کے بارے میں بروزِ قیامت بندے سے پوچھا جائے گا۔اگر یہ صحیح رہا تو بقیہ سارے اعمال درست اور اگر یہ بگڑا تو بعد کے سارے کام گڑ بڑ ہونگے۔نیز یہ وہ آخری عمل ہے جسے بندہ الوداع کہتا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی اپنی امت کے لئے آخری وصیت بھی ہے۔چنانچہ عالمِ نزع میں آپ ﷺ نے فرمایا:(الصلاةُ وما ملَکت أیمانُکم) نماز اور جس کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں (لونڈی، غلام)[۱]۔

---

(۱) (ابن ماجہ:۲۶۹۷)۔

اللہ نے جنت میں نماز کا ایک خاص دروازہ تیار کر رکھا ہے جس سے صرف نمازی داخل ہونگے اور صبح وشام میں سے جب جب بندہ نماز کے لئے نکلتا ہے تو اللہ جنت میں اسکے لئے سامانِ ضیافت تیار کراتا ہے۔دنیا میں نماز ایک روشنی ہے کیونکہ اللہ نے سورہ نور میں آیتِ نور کے فوراً بعد اس کا تذکرہ کیا ہے[۱]۔جو شخص نماز کے لئے نکلا اسے رسول ﷺ کی بشارت حاصل ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: "اندھیرے میں مسجدوں کی طرف جانے والوں کو قیامت کے دن مکمل روشنی کی بشارت دے دو"[۲]۔

نماز کو اللہ نے ہم وغم کے ازالے کا ذریعہ بنایا ہے۔ارشاد باری ہے": اے ایمان والو! صبر وصلوۃ کے ذریعے مدد طلب کرو، بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے"[۳]۔اور رسول ﷺ جب کسی بات سے غمزدہ ہوتے تو نماز پڑھتے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے کہ نماز قائم کرو اور اسکے ذریعہ ہمیں راحت پہنچاؤ! ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

(1)
﴿ ٱللَّهُ نُورُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۚ مَثَلُ نُورِهِۦ كَمِشۡكَوٰةٍ ....کے معابعد "فِي بُيُوتٍ أَذِنَ ٱللَّهُ أَن تُرۡفَعَ ... ﴾
[نور:۳۵،۳۶] ذکر کیا ہے۔

(۲) (ترمذی نے بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رقم ۲۲۳،اور ابن ماجہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے رقم ۷۸۱، جسے حاکم نے مستدرک میں صحیح قرار دیا ہے ۷۶۹، جبکہ امام ذہبی نے اسکی موافقت کی ہے۔(۳۳۲/۱)۔

(۳) [بقرۃ:۱۵۳]۔

کہ :"رسول ﷺ ہمارے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے اور اذان سنتے ہی نماز کے لئے ایسے نکل پڑتے تھے گویا نہ ہم انہیں پہچانتے ہیں نہ وہ ہمیں "(۱)۔

نماز کی بڑی اہمیت ہے، یہ شہادتین کے بعد دین کا دوسرا رکن ہے، یہ رسول ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ جس نے نماز کی پابندی کی وہ دیگر چیزوں کا مزید پابند ہوگا اور جس نے اسے گنوایا وہ بقیہ اعمال کہیں زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔اسی لئے علماء نے نماز کا بڑا اہتمام کیا ہے۔انہیں عظیم علماء میں سے عصر حاضر کے علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ بھی ہیں، جنہوں نے نماز کے بارے میں ایک مختصر کتابچہ تحریر فرمایا۔ جسکی شرح کا کام شیخ ظافر بن حسن آل جبعان حفظہ اللہ نے بخوبی انجام دیا۔ موصوف نے مجھ سے اسے پڑھنے اور پیش لفظ لکھنے کا مطالبہ کیا جسے میں نے اپنے لئے باعثِ شرف سمجھا۔الحمد للہ مجھے انکی شرح کافی وشافی اور بڑی مفید لگی،انہوں نے دلیل کے ساتھ راجح مسئلہ اپنایا ہے اور جہاں بیان کی حاجت ہوئی اسے مناسب شرح وبسط کے ساتھ واضح کیا ہے۔اللہ انہیں اسکا بہتر بدلہ دے،اوران کے علم سے سب کو فائدہ پہونچائے۔اللہ قول میں اخلاص اور عمل میں صدق وصفا کی توفیق بخشے اور انکے اس عمل کو دارین میں علم نافع کا حصہ قرار دے۔ درودوسلام ہو ہمارے نبی محمد اور انکے آل واصحاب پر۔

تحریر: دکتور سعد بن سعید الحجری۔

بروز جمعہ ۲۸/۴/۱۴۲۷ھ

---

(۱) (ابوداؤد:۴۹۸۵)۔

مقدمہ

إنّ الحمدَ للهِ نحمدُه ونستعينُه ونستغفره، ونَعوذُ باللهِ مِن شرورِ أنفسِنا ومِن سيئاتِ أعمالِنا، مَن يَهده اللهُ فلا مُضلّ لَه، ومَن يُضلل فلا هاديَ لَه، وأشهدُ أنّ لا إلهَ إلا اللهُ وحدَه لا شريكَ له، وأشهدُ أنّ محمدًا عبدُه ورسولُه أمّا بعدُ:

بے شک نماز ان عظیم عبادتوں میں سے ہے جن کی قدر و منزلت کیوجہ سے ان کے احکام کو پڑھنا، سمجھنا اور عمل کرنا نہایت ضروری ہے، اگر ایمان زبان سے اقرار اور دل سے اعتقاد کا نام ہے تو نماز اعضاء و جوارح سے عمل اور رب رحیم کی فرمانبر داری سے عبارت ہے۔

چونکہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس سے اللہ وحدہ لاشریک کی یکتائی ثابت ہوتی ہے اور ایمانی طرز پر نفس کی ایسی تربیت، جو مؤمن کو دنیا میں ایک خوشگوار زندگی فراہم کرتی ہے اور آخرت میں سرمدی سعادت۔ یہ رسالت کی پوری تاریخ میں سلسلہ وار انبیاء کی سنت رہی ہے اور ارض و سماء کے خالق سے رابطہ کا حسین ذریعہ۔ یہ ایک ایسا توشہ ہے جو نفس کو طاعتِ الہی کا پابند بناتی اور محرمات سے روکتی ہے۔ نماز تمام ادیان میں ستون کی حیثیت رکھتی ہے، یہ انتہائی قدیم عبادت ہے کیونکہ یہ ایمان کا لازمی حصہ ہے، کوئی بھی آسمانی شریعت اس سے خالی نہیں رہی ہے۔ انبیاء ورسل کی زبانی جابجا اسکی ترغیب دی گئی اور اس کی ادائیگی پر ابھارا گیا ہے کیونکہ قربتِ الہی اور تزکیہ نفس پر اس کا بڑا اثر ہے، کوئی بھی چیز نماز کی طرح نفس کی اصلاح و درستگی اور مکارمِ اخلاق پر نہیں ابھارتی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: نماز سب سے بہتر عمل ہے، یہ پاکیزہ کلمات اور نیک اعمال پر مشتمل ہے۔اس کا سب سے افضل وواجب ترین کلمہ "قرآن" ہے۔اور اس کا افضل وواجب ترین عمل "سجدہ" ہے۔جیسا کہ اللہ نے ان دونوں کو پہلی سورت (جو رسول ﷺ پر نازل ہوئی) میں جمع کر دیا ہے۔چنانچہ سورت کی ابتداء:﴿ ٱقۡرَأۡ بِٱسۡمِ رَبِّكَ ٱلَّذِی خَلَقَ ﴾[1] اور خاتمہ﴿ وَٱسۡجُدۡ وَٱقۡتَرِب ﴾[2]۔سے کیا اور نماز کو بھی ایسے ہی رکھا کہ اسکی ابتداء قراءت سے ہوتی ہے اور انتہاء سجدے سے[3]۔نماز کی اہمیت کے پیش نظر ہی ہر دور کے علماء نے اس کے احکام کی بحث و تمحیص اور اسکے ابواب کے دراسہ وتوضیح پر خصوصی توجہ دی ہے تاکہ یہ عبادت بغیر کسی کمی وبیشی کے علم وبصیرت کی روشنی میں سب کے لئے ممکن ہو سکے۔

چنانچہ یہ رسالہ بھی اسی قبیل سے ہے جسے نابغہ روزگار عالم وزاہد، بقیۃ السلف، دنیا کی زینت اپنے دور کے عباد وزہاد کے سرتاج ابو عبداللہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے تحریر فرمائی ہے۔ صحیح معنوں میں انہوں نے ایک ایسا رسالہ مرتب کیا ہے جسے شہسوار لے اڑے اور یہ نمازِ نبوی پر مجلسِ احباب کا موضوعِ گفتگو بن گئی۔لہذا موصوف کے علم کی برکت اور عوام وخواص میں مقبولیت کیوجہ سے میں نے چاہا کہ حجم میں چھوٹے اور علم وافادے میں عظیم، اس رسالہ کی شرح و

---

(۱) [سورۃ علق:۱]۔

(۲) [سورۃ علق:۱۹]۔

(۳) (فتاوی ۱۴/۲۰۵)۔

توضیح کا کام کر دیا جائے شاید اللہ اسکے اجر سے ہمیں مستفید کرے اور اس رسالہ میں بھی ویسی ہی برکت عطا فرمائے جیسی مؤلف کو دے رکھی ہے۔

اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصہ میں مؤلف کی مختصر سوانح حیات کا تذکرہ ہے۔(استفادے کی غرض سے رسالہ "کیفیّۃ صلاۃِ النبی ﷺ" کا پورا متن بھی شامل کر دیا گیا ہے)۔ جبکہ دوسرا حصہ مذکورہ رسالے کی شرح کے لئے خاص ہے۔ شرح میں میں نے علماء کی بعض مرویات اور دلائل کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ اختصار کی پوری کوشش کی ہے۔

متن پیش کرنے کا طریقہ یہ ہیکہ میں نے شرح و متن میں فرق کے لئے شیخ کے کلام کو ذرا موٹے خط میں اور شرح کو چھوٹے خط میں رکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ شرح، متن کے ساتھ رہے تاکہ پڑھنے اور عبارت فہمی میں کوئی دقت نہ ہو۔ جیسا کہ متن میں شیخ نے اس بات کی رعایت کی ہیکہ وہ عام فہم اور سہل عبارت میں ہو تاکہ ہر عام و خاص مستفید ہو سکے۔ حدیثوں کی تخریج میں میرا اسلوب یہ ہے کہ جو روایتیں صحیحین یا ان میں سے کسی ایک میں ہیں تو وہاں کتاب کی طرف اشارہ کر کے حدیث نمبر ذکر کر دیا ہے البتہ جو روایتیں ان کے علاوہ کی ہیں، ان کی مختصر تخریج بھی کی ہے۔ ایک آدھ جگہ شیخ کے کلام میں تقدیم و تاخیر کی معمولی ضرورت پڑی ہے اور ایسا صرف ایک جگہ ہوا ہے ۔ وہ ہے نیت و سترہ کے ساتھ استقبالِ قبلہ کے باب میں۔ چنانچہ شیخ نے پہلے استقبالِ قبلہ پھر نیت اور اسکے بعد سترہ پر کلام کیا تھا اور اسکے بعد استقبالِ قبلہ کی گفتگو کا اعادہ تھا۔ لیکن میں نے نیت کی بحث کو

مؤخر کر کے اسے ایک مستقل عنوان دے دیا ہے اور ایسے ہی باب السترۃ کو بھی۔ پھر ترتیب کچھ یوں ہوگئی کہ پہلے استقبالِ قبلہ، پھر نیت اور اسکے بعد سترہ کا بیان۔

حرفِ آخر: میں نے پوری کوشش کی ہے کہ شرح مختصر اور واضح ہو تاکہ جو بھی اسے پڑھے بآسانی استفادہ کر سکے، اسی لئے میں نے اسکا نام ہی رکھا ہے "القولُ الواضِحُ الجلیّ، شرح رسالۃِ کیفیّۃِ صلاۃِ النبّیﷺ"۔ دعاء ہیکہ اللہ اسے اسم با مسمی بنائے، میرے اس معمولی عمل کو شرفِ قبولیت بخشے، ڈھیر سارے اجر سے نوازے، اسے وہ نیک ترکہ بنائے جس سے صالح لوگ موت وحیات دونوں حالتوں میں مستفید ہوتے ہیں۔ اللہ اس شرح کے پڑھنے، سننے اور اس عمل پر ابھارنے والے سبھی کو خوب خوب اجر دے، نفع پہونچائے۔ یقیناوہ سننے وجواب دینے والا ہے [1]۔

---

(۱) واضح رہے کہ میں مسجد شیخ ابن باز بمقام تندحہ میں فقہ کا درس دیا کرتا تھا میرے استاذ شیخ سعید بن سعد آل حماد نے مجھے اس رسالہ کی شرح کا مشورہ دیا جو مجھے پسند آئی اور میں نے اسکی شرح کا کام شروع کر دیا۔ شرح مکمل کرنے کے بعد اسے شیخ سعید کی خدمت میں پیش کیا جنھوں نے اسے مراجعہ کا شرف بخشا۔ اللہ انھیں جزائے خیر دے، انکے علم کو مفید بنائے اور اس شرح کے اجر سے محروم نہ رکھے۔

پہلا حصہ

علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کی مختصر سوانح حیات[1]۔

(أ) نام و نسب:

امام ،نیک پرہیز گار ، متقی ، علم و فتوی میں مسلمانانِ عالم کے مرجع اور اتباعِ رسول ﷺ کی پاسداری میں بقیہ السلف سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبد اللہ بن عبد الرحمان ،بن محمد بن عبد اللہ آل باز رحمہ اللہ۔

(۱) شیخ رحمہ اللہ کی سوانح حیات پر چند مصادر درج ذیل ہیں۔

مجموع فتاوى ومقالات متنوعة (۱/۹-۱۲)، كتاب الإمام ابن باز للشيخ عبد العزيز بن السدحان، كتاب ابن باز فى الدلم/ للشيخ عبد العزيز البراک، كتاب إمام العصر لناصر الزهرانى، الايجاز فى سيرة و مؤلفات ابن باز/ لصالح الهويمل، مواقف مضيئة فى حياة الامام عبد العزيز بن باز/ لحمود المطهر، كتاب الشيخ ابن باز بقية السلف وإمام الخلف/ إصدار مركز المعلومات بالندوة العالمية للشباب الاسلامى تقديم دكتور مانع الجهنى، كتاب الممتاز فى مناقب الشيخ ابن باز/ للدكتور عائض القرنى، كتاب الانجاز فى ترجمة الامام عبد العزيز بن باز/ لعبد الرحمان الرحمة، كتاب علماء ومفكرون عرفتهم لمحمد المجزوب(۱/۷۷-۱۰۶)-اور کتاب كوكبة من ائمة الهدى ومصابيح الدجى لدكتورعاصم القريوتى (۱۳۷-۱۷۹)-وغیرہ۔

(ب)پیدائش:

بارہ ذی الحجۃ ۱۳۳۰ھ کو ریاض میں ہوئی،وہیں پلے بڑھے،وہیں پروان چڑھے اور پیری وجوانی کے ایام بھی وہیں گزرے۔حج وعمرہ کے سواشاید ہی کبھی موصوف وہاں سے نکلے ہوں۔

(ج)اساتذہ:

آپ بہت سارے علماء سے فیضیاب ہوئے ان میں چند مشہور علماء کے نام ذرج ذیل ہیں۔

۱۔ شیخ محمد بن عبد اللطیف بن عبد الرحمان بن حسن بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ قاضی ریاض۔

۲۔ شیخ صالح بن عبدالعزیز بن عبدالرحمان بن حسن بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ۔

۳۔ شیخ سعد بن حمد بن عتیق رحمہ اللہ قاضی ریاض۔

۴۔ شیخ حمد بن فارس رحمہ اللہ ریاض میں بیت المال کے وکیل۔

۵۔فضیلۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ سعودیہ عربیہ کے مفتی۔آپ نے ان کے حلقے کو قریب دس سال تک لازم پکڑا اور سن ۱۳۴۷ھ تا۱۳۵۷ھ تک کہئے تمام علومِ شرعیہ کوانہیں سے حاصل کئے اورانہوں نے ہی شیخ عبدالعزیز کو قضاء کے لئے آگے بڑھایا۔

۶۔ شیخ سعد وقاص البخاری رحمہ اللہ مکہ مکرمہ کے علماء میں سے ہیں،ان سے آپ نے سن ۱۳۵۵ھ میں تجوید کا علم حاصل کیا۔

(د)تالیفات:

اللہ کے کرم واحسان سے شیخ کے مؤلفات کی ایک لمبی فہرست ایسی ہے جس نے بڑی شہرت پائی اور قبول عام حاصل ہوااور وہ یہ ہیں:

۱-مجموع فتاوی ومقالات متنوة-

۲-الفوائد الجليّة فى المباحث الفرضيّة-

۳-التحقيقُ والايضاحُ لكثير من مسائل الحج والعمرة والزيارة-

۴-التحذير مِن البدع، یہ چار مفید مقالوں پر مشتمل ہے (حكم الاحتفال بالمولد النبوى، ليلة الاسراء والمعراج- ليلة النصف من شعبان، تكذيب الرؤيا المذعومة من خادم الحجرة النبوية المسمى الشيخ احمد)-

۵-رسالتانِ موجزتان فى الزكاة والصيام-

۶-العقيدةُ الصحيحةُ ومايضادّها-

۷-وجوبُ العمل بسنة الرسول صلى الله عليه وسلم وكفر من أنكرها-

۸-الدعوة إلى الله وأخلاق الدعاة-

۹-وجوب تحكيم شرع الله ونبذ ما خالفه.

۱۰-حكم السفور والحجاب و نكاح الشغار-

۱۱-نقد القومية العربية

۱۲-الجواب المفيد فى حكم التصوير-

۱۳-الشيخ مُحَّد بن عبد الوهاب، دعوته وسيرته -

۱۴-ثلاث رسائل فى الصلوة-

(أ) کیفیّة صلاةِ النبّی ﷺ(یہی وہ رسالہ ہے جسکی شرح کے ترجمہ کا ارادہ ہے)

(ب) وجوب أداء الصلوة فی جماعة-

(ج) أین یضع المصلی یدیه حین الرفع من الرکوع-

۱۵-حکم الإسلام فیمن طعن فی القرآن أو فی رسول اللهﷺ-

۱۶-حاشیة مفیدة علی فتح الباری ،(وصل فیها إلی کتاب الحج)-

۱۷-رسالة الأدلة النقلیة والحسیة علی جریان الشمس وسکون الأرض ومکان الصعود إلی الکواکب-

۱۸-إقامة البراهین علی حکم من استغاث بغیر الله أوصدق الکهنة والعرافین-

۱۹-الجهاد فی سبیل الله -

۲۰-الدروس المهة لعامة الأمة.

۲۱-فتاوی تتعلق باحکام الحج والعمرة والزیارة-

۲۲-وجوب لزوم السنة والحذر من البدعة.

۲۳-حاشیة علی بلوغ المرام-

۲۴-النکت علی تقریب التهذیب-

۲۵-تحفة الأخیار ببیان جملة نافعة مماورد فی الکتاب والسنة الصحیحة من الأدعیة والأذکار-

۲۶-التحفة الکریمة فی بیان کثیر من الأحادیث الموضوعة والسقیمیة.

۲۷-تحفة أهل العلم والایمان بمختار ات من الأحادیث الصحیحة والحسان-

۲۸-فتاوی نور علی الدرب-

۲۹-شرح القواعد الأربع-

۳۰-شرح الأصول الثلاثة.

۳۱-شرح فضل الإسلام-

۳۲-شرح العقيدة الواسطية.

۳۳-شرح الحموية.

(ھ)وفات:

۲۷محرم بروز جمعرات ۱۴۲۰ھ،قریب ۸۹سال کی عمر میں پوری امت اسلامیۃ کو داغ مفارقت دے گئے،اس نابغہ روزگار کی وفاتِ حسرت یاب سے مسلمانوں کا بڑا خسارہ ہوا کیونکہ آپ وہ عظیم ہستی تھے جس نے عالمِ اسلام اور پوری دنیا کے مسلمانوں کی خدمت میں اپنی زندگی صرف کی۔اللہ انہیں اپنی ڈھیر ساری رحمتوں وبخششوں سے نوازے۔

❁❁❁

دوسرا حصہ: شرحِ کتاب

مؤلف کے پیش لفظ کی شرح

علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے فرمایا: "بسم اللہ الرحمن الرحیم "[1]۔

بسم اللہ سے آغازِ کلام کا سبب: شیخ نے ذیل کے تین امور کی بناء پر بسم اللہ سے ابتداء کی ہے:

۱۔ کتاب اللہ کی اقتداء: کیونکہ اسکی شروعات بسم اللہ سے ہوئی ہے۔اور اکثر علماء نے اس پر دلیل پیش کی ہے، انہیں میں امام قرطبیؒ رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے اپنی تفسیر میں اس بات پر صحابہ کا ثابت شدہ اجماع نقل کیا ہے کہ قرآن کی پہلی آیت کے بطور " بسم اللہ " لکھا جائے گا[۲]۔اور اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری میں ذکر کیا ہے[۳]۔

۲۔ بادشاہوں وغیرہ سے خط و کتابت میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء: اسکی بہت ساری دلیلیں ہیں۔اسی میں سے آپ ﷺ کا ایک رسالہ بنام ہرقل (عظیم الروم) ہے، جس میں لکھا تھا۔بسم اللہ الرحمان الرحیم، از: محمد اللہ کا بندہ اور اس کا رسول، الی شاہِ روم ہرقل[٤]۔

---

(۱) (میں نے اس متن میں شیخ کی کتاب، مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ پر پورا اعتماد کیا ہے)

(۲) (الجامع لاحکام القرآن ۱/۶۷)۔

(۳) (فتح الباری ۱/۱۴)۔

(٤) (بخاری ۷، ۲۹۴۱، ۴۵۵۳، ۶۲۶۰)۔(ومسلم ۱۷۷۳)۔

۳۔بذریعہ بسم اللہ اپنی کتابوں کے آغاز پر ائمہ مسلمین کا اتفاق: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں، علمی کتابوں اور اسی طرح تمام تر رسائل کے بسم اللہ کے ذریعے آغاز پر ائمہ و مصنفین کا عمل ثابت ہے[1]۔

"بسم اللہ" کی شرح:

"بسم اللہ": "ب" حرفِ جر اور یہاں اس کا معنی ہے استعانہ و مصاحبت۔اسلئے کہ اللہ کے نام کے ساتھ آیا ہے اور اس نام سے برکت طلب کی گئی ہے۔اور "اسم" سمو سے مشتق ہے علامت کے معنی میں ہے۔کیونکہ ہر وہ چیز جس سے اس کا نام رکھا گیا اسی سے اسے جانا پہچانا جاتا ہے۔

اور لفظِ جلالہ "اللہ" کی اصل الہ ہے۔جس کی مخلوق عبادت کرتی ہے۔لفظ اللہ ،اسماء حسنی اور اعلی صفات کے تمام معنی کا جامع ہے۔یہ اعلی ترین معرفہ ہے، معرفہ ہی استعمال ہوتا ہے اور یہ تمام صفات کے معانی کو شامل ہے۔جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:"وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، باطن و ظاہر سب کا جاننے والا، بڑا مہربان اور رحم کرنے والا۔وہی اللہ ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، تمام عیوب سے مبراء، امن دینے والا، نگہبان، غالب زور آور اور بڑائی کا مستحق، اور ان تمام چیزوں سے پاک ہے جنھیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں۔وہی اللہ پیدا کرنے والا، وجود بخشنے والا

---

(۱) (فتح الباری ۱/۱۴)۔

،صورت بنانے والا،اسی کے لئے اچھے نام ہیں،آسمان وزمین کی ساری چیزیں اسکی پاکی بیان کرتی ہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے[(۱)]۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "چنانچہ معلوم ہوا کہ اس کا (اللہ) نام اسماء حسنی کے تمام معانی کو مستلزم اور بہ اجمال ان پر دلالت کرنے والا ہے اور اسماء حسنی در حقیقت ان صفاتِ الٰہیہ کی تفصیل وتوضیح ہے جو لفظ اللہ سے مشتق ہیں[(۲)]۔

"الرحمان الرحیم" یہ اللہ کے نام ہیں۔ رحمان نام اللہ کے لئے خاص ہے،اسکے علاوہ کسی پر اس نام کا اطلاق نہیں ہوگا۔ رحمان کا معنی ہے پوری مخلوق کے لئے نہایت وسیع رحمت والا۔ جبکہ رحیم کا معنی ہے اپنے طاعت گزاروں پر بطور خاص رحم کرنے والا۔ رحمان ورحیم کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے جسے ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "بدائع الفوئد" میں بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ رحمن کا تعلق اس رحمت سے ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، جبکہ رحیم متعلق ہے اس صفت رحمت سے جو مخلوق میں سے ہر اس شخص کو پہونچتی ہے جسے اللہ چاہتا ہے۔ بہ تصرف[(۳)]۔

---

(۱) [الحشر:۲۲-۲۴]۔

(۲) (مدارج السالکین ۱/۹۵ تحقیق عامر یسین)۔

(۳) (بدائع الفوائد ۱/۲۸)۔

مسئلہ: کلام کے شروع میں بسم اللہ ذکر کرنے کے مزید کچھ اسباب:

ا۔ بطور تبرک: کیونکہ بسم اللہ کے ذریعے آغاز کرنے سے ان شاءاللہ برکت حاصل ہوگی اور اللہ کی مدد شامل حال رہے گی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہر بات یا ہر اہم معاملہ جسے اللہ کے ذکر سے شروع نہ کیا جائے وہ ادھورا ہے"[(۱)]۔

۲۔ نبی کی اقتداء: جیسا کہ آپ ﷺ نے خط و کتابت اور اپنی گفتگو میں اس کا استعمال فرمایا ہے۔

۳۔ مشرکین کی مخالفت: جو کہ اپنی کتابوں کی ابتداء اپنی عیدوں، یا اپنے دین دھرم، یا اپنے معبودوں کے نام سے کرتے تھے۔

"الحمد للہ" حمد کا لغوی معنی: شکر، رضامندی، بدلہ اور حق کا فیصلہ کرنا[(۲)]۔ ابن فارس نے اپنی معجم میں لکھا ہے، حاء، میم اور دال ایک ہی کلمہ ہے، اسکی ایک ہی اصل ہے جو کہ ذم کے برعکس دلالت کرتا ہے[(۳)]۔ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حمد میں الف و لام استغراق کے لئے ہے۔ یعنی حمد کی تمام اجناس و اصناف اللہ کے لئے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، میرے

---

(۱) (امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مسند میں اسکی تخریج کی ہے ۳۵۹/۲، یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں قرۃ بن عبدالرحمان ہیں جنھیں امام احمد نے منکر الحدیث کہا ہے اور امام ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ، صدوقٌ لہ مناکیر)۔

(۲) (القاموس المحیط ۲۶۶۔ فصل حاء، باب دال)۔

(۳) (معجم مقاییس اللغۃ ۳۱۵/۱-۳۱۶ مادۃ حمد)۔

مولی! تمام تر تعریف (حمد)، اور ساری بادشاہت تیرے ہی لئے ہے۔ ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور تمام معاملہ تیری ہی طرف لوٹتا ہے[۱]۔

حمد کا اصطلاحی معنی: صفاتِ کمال کے ساتھ تعظیم واجلال کے طور پر اپنے محمود و ممدوح کی تعریف بیان کرنا[۲]۔ پس محبت کے ساتھ تعریف بیان کرنے کو حمد کہتے ہیں جبکہ عموما بلا محبت تعریف کرنے کو مدح کہا جاتا ہے۔

"حمد" (اللہ کی تعریف) سے آغاز کا سبب:

شیخ رحمہ اللہ نے ذیل کے تین وجوہات کی بناء پر یہاں حمد کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ قرآن کی دلالت: اللہ نے قرآن پاک کی ابتداء ,الحمد لله رب العالمين، سے کی ہے، بعض اہل علم کا کہنا ہیکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علمی کتابوں کا آغاز اللہ کی حمد سے کرنا مشروع ہے۔

۲۔ سنتِ نبویہ کی دلالت: بہت سی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ اپنے خطبوں کا آغاز اللہ کی حمد سے کرتے تھے۔ سورج گرہن کے واقعے میں اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا

---

(۱) (یہ حدیث حزیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ۵/۳۹۵، عبد الرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے ۳/۱۸۵ برقم ۵۱۴۲۔ اور ھیثمی نے المجمع میں کہا ہے۔ ۱/۹۶، اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس میں ایک ایسا راوی ہے جسکا نام نہیں لیا گیا ہے، بقیہ رجال ثقہ ہیں۔ جبکہ امام البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (ضعیف الترغیب والترھیب ۱/۲۴۱ برقم ۹۶۳)۔ (تفسیر ابن کثیر ۱/۲۵)۔

(۲) (یہ تعریف علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کی ہے مجموع الفتاوی میں ۱۱/۱۳۳)۔

سے مروی ہے۔"...رسول اللہ ﷺ واپس ہوئے اور سورج ظاہر ہو چکا تھا، پس آپ ﷺ نے خطبہ دیا، اللہ کی کماحقہ حمد بیان کی پھر فرمایا: "امابعد"[1]۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ، ضماد مکہ آیا، جس کا تعلق "ازد شنوءۃ" سے تھا اور وہ ہوا[2] (آسیب) کا رقیہ کرتا تھا اس نے مکہ کے کچھ سر پھروں کو کہتے ہوئے سنا کہ محمد کو جنون لاحق ہے تو اس نے سوچا شاید اللہ میرے ہاتھوں انہیں شفاء دے دے۔ کہتے ہیں وہ آپ ﷺ سے ملا اور کہنے لگا: محمد! میں اس ہوا (جنون) کا جھاڑ پھونک کرتا ہوں اور اللہ میرے ہاتھوں سے جسے چاہتا ہے شفاء دیتا ہے تو کیا تمہیں بھی اس کی حاجت ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "بیشک ساری تعریفیں اللہ کو زیبا ہیں، ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اس سے مدد طلب کرتے ہیں، اللہ جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے بھٹکا دے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، وہ تنہا ہے اسکا کوئی ساجھی دار نہیں اور یقینا محمد اسکے بندے اور اسکے رسول ہیں۔ امابعد! راوی کہتے ہیں اس نے کہا ذرا اپنے ان کلمات کا اعادہ کیجئے، تو آپ ﷺ نے ان کلمات کو تین مرتبہ دہرایا۔ چنانچہ اس آدمی

---

(۱) (بخاری ۹۲۲، مسلم ۹۰۵)۔

(۲) (یہاں ہوا سے مراد آسیب یا جنون ہے، جنون کو ہوا اس لئے کہا گیا کیونکہ وہ ہوا کی طرح نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، النھایۃ ۲/۲۷۲ مادۃ: روح)۔

نے کہامیں نے کاہنوں، جادو گروں اور شاعروں کی باتیں بہت سنی ہیں مگر ان جیسے کلمات کبھی نہیں سنے، یہ تو سمندر کی تہہ کو پہونچی ہوئی ہیں (۱)۔

راوی کا بیان ہے کہ اس نے کہا آپ اپنا ہاتھ بڑھایئے میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں ۔پس اس نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اپنی قوم پر بھی بیعت کرتے ہو؟تو اس نے کہا: ہاں اپنی قوم کی طرف سے بھی۔راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک دستہ (سریہ)روانہ کیا جس کا گزر ضماد کی قوم سے ہوا تو کمانڈر نے لشکر سے پوچھا، کیا تم نے ان لوگوں سے کچھ لیاہے؟ان میں سے ایک آدمی نے کہاہاں، میں نے لوٹا پایاہے، تودستہ کے مالک نے کہااسے واپس کردو کیونکہ یہ ضماد کی قوم کے لوگ ہیں (۲)۔

۳۔اہل علم کا تواتر کے ساتھ عمل: کیونکہ وہ اپنی تصنیفات وتالیفات، خطبہ وخطاب وغیرہ کا آغاز اللہ کی حمد سے کرتے ہیں۔امام عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ علماء نے ذکر کیاہیکہ وہ لازمی طور پر اپنی کتابوں کی ابتداء بسم اللہ، پھر اللہ کی حمد، پھر شہادت پھر نبی پر درود کے ذریعہ ہی کرتے ہیں (۳)۔

---

(۱) (ناعوس: سمندر کی گہرائی اور اسکے بیچ کو کہتے ہیں (النھایۃ ۸۱/۵مادۃ: نعس)۔

(۲) (مسلم ۸۶۸)۔

(۳) (عمدۃ القاری ۱۱/۱)۔

"وحدہ" یعنی اسکی ربوبیت میں اسکا کوئی شریک نہیں جس طرح اسکی الوہیت واسماء وصفات میں اس کا کوئی ساجھی دار نہیں ہے۔اللہ کا ارشاد ہے: "آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تنہا ہے، بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے"(۱)۔

اگر بندہ پورے طور پر توحید کی پاسداری کرے تو وہ دنیا میں خوشگوار زندگی گزار نے والوں اور آخرت میں جنت پانے والوں میں سے ہوگا۔اللہ نے فرمایا: "جو شخص نیک عمل کرے، خواہ مرد ہو یا عورت، لیکن باایمان ہو تو ہم اسے نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے، اور انکے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور دینگے"(۲)۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو اللہ سے اس حال میں ملا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کچھ بھی شرک نہیں کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا"(۳)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور مجھے خبر دی (ایک روایت میں ہے مجھے خوش خبری دی) کہ میری امت میں سے جس نے اللہ کے ساتھ کچھ بھی شریک کئے بغیر وفات پائی وہ جنت

(۱) [سورۃ اخلاص:۱۔۴]۔
(۲) [نحل:۹۷]۔
(۳) (بخاری ۱۲۹، مسلم ۱۵۲)۔

میں جائے گا۔میں نے پوچھا اگرچہ زنا کیا ہو، چوری کی ہو؟آپ ﷺ نے فرمایاہاں،اگرچہ زنا کیاہو،چوری کا مرتکب ہوا ہو"(۱)۔

اگربندہ شرک اور توحید کے منافی چیزوں سے محفوظ ہے،توامن وہدایت کا وعدہ الٰہی اس کے حق میں صادق آئے گا۔اللہ نے فرمایا:"جولوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنا ایمان شرک سے مخلوط نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں"(۲)۔

لیکن اگر شرک کی تاریکیوں میں کھو گیا،توحید کی پاسداری نہ کی تو وہ ہلاک وبرباد اور سخت وعید کا مستحق ٹھہرے گا۔اللہ نے فرمایا:"یقین مانو! جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اس پر اللہ نے جنت حرام کردی ہے،اس کاٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا"(۳)۔ نیز اسے جان،مال اور عزت کی بھی ضمانت نہیں مل پائے گی جیسا کہ اللہ نے فرمایا:"ان لوگوں سے لڑو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے،جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیز کو حرام نہیں مانتے،نہ ہی دینِ حق قبول کرتے ہیں ان

---

(۱) (بخاری ۱۱۸۰، مسلم ۱۵۳)۔

(۲) [انعام:۸۲]۔

(۳) [المائدہ:۷۲]۔

لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی، یہاں تک کہ وہ رسوا ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں"(۱)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے لوگوں سے قتال کا حکم ہوا ہے یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں۔ اگر یہ کرتے ہیں تو انہوں نے مجھ سے اپنی جان واموال کو بچا لیا سوائے اسلام کے حق کے، اور ان کا حساب وکتاب اللہ کے ذمہ ہوگا"(۲)۔

نبی ﷺ پر درود:

"والصلوۃ والسلام علی عبده ورسوله، نبینا مُحَمَّد، وآله وصحبه" شیخ نے جب اللہ کی مناسب حمد وثنا بیان کی تو مخلوق میں سب سے بہتر شخص محمد ﷺ پر درود وسلام بھی بھیجی ہے۔

"الصلوۃ" لغتاً دعاء کے معنی میں ہے اور جب اللہ کی طرف سے ہو تو تعریف مراد ہوتی ہے۔ فرشتوں کی جانب سے ہو تو استغفار اور انکے علاوہ کی طرف سے ہو تو خاکساری، دعاء، مبارک بادی اور سلامتی مراد ہوتی ہے، یا خامیوں، ذلتوں اور آفات وغیرہ سے حفاظت مقصود ہوتی ہے۔ اگر صلاۃ کے ساتھ سلام آئے تو مطلوب حاصل اور خوف زائل

---

(۱) [التوبہ:۲۹]۔

(۲) (بخاری ۲۵، مسلم ۳۲)۔

ہو جاتا ہے ، پس سلام سے خوف و نقص کی نفی ہو جاتی ہے اور صلاۃ سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

"عبدہ ورسولہ" یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یعنی لوگوں میں اللہ کی سب سے زیادہ بندگی کرنے والے اور عبودیت کا حق نبھانے والے۔ یہ راتوں کو قیام کرتے یہاں تک کہ پاؤں میں ورم آجاتا اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ آپ کیوں اتنی مشقت اٹھاتے ہیں جبکہ آپ کے اگلے و پچھلے گناہ معاف ہیں؟ تو ارشاد ہوتا ہے: "کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں"(۱)۔

نبی ﷺ اللہ کی کما حقہ عبادت کرکے مقصد تک رسائی چاہتے تھے۔ اسی لئے وہ لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار، سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے اور عطاء الٰہی کے سب سے زیادہ طلب گار تھے۔ وہ اللہ کے بندے تھے اور بندگی کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ نہ اپنے اور نہ ہی کسی اور کے نفع و نقصان کے مالک تھے۔ اللہ کی ربوبیت میں انہیں ادنی سا حق حاصل نہ تھا، بلکہ وہ اللہ کے ایک محتاج بندے تھے۔ اس سے مانگتے، اسے پکارتے، اس سے امید رکھتے اور اس سے خوف کھاتے تھے۔

یہی نہیں بلکہ اللہ نے حکم دیا کہ وہ اس کا اعلان بھی کردیں اور بطورِ خاص اسکی تبلیغ کریں کہ وہ ان میں سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ اللہ نے فرمایا: "اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی نقصان کا۔ مگر

---

(۱) (بخاری ۴۸۳۷، مسلم ۲۸۲۰ بروایت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا)۔

اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہونچتا"[۱]۔

ساتھ ہی یہ بھی حکم ہوا کہ "اے نبی! کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ ہی یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی یہ کہتا پھرے ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اسکی پیروی کرتا ہوں"[۲]۔ خلاصہ یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے ہیں۔

"نبینا محمد" محمد، حمد سے مشتق ہے اور محمد اسے کہتے ہیں جسکی پہ در پہ ڈھیر ساری تعریف کی گئی ہو یا وہ جو یکے بعد دیگرے حمد کا مستحق ہو۔ وہ آسمان و زمین دونوں جگہ قابلِ تعریف ہیں۔ واضح رہے کہ محمد، احمد و محمود سے زیادہ بلیغ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا نسب نامہ:

محمد بن عبد اللہ، بن عبد المطلب بن ھاشم، بن عبد مناف، بن قصی بن کلاب، بن مرۃ، بن کعب، بن لؤی، بن غالب، بن فھر بن مالک، بن نضر بن کنانۃ، بن خزیمۃ بن مدرکۃ بن

(۱) [اعراف:۱۸۸]۔

(۲) [انعام:۵۰]۔

الیاس، بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان [1]۔ مطلق طور سے آپ ﷺ کا نسب سب سے افضل ہے۔

آپ ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام احمد ہے جسکا اللہ نے بہ زبانِ عیسی علیہ السلام قرآن میں ذکر کیا ہے "اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی خوشخبری سنانے والا ہوں جنکا نام احمد، ہے "(۲)۔اسی طرح ماحی، حاشر اور عاقب وغیرہ آپ ﷺ کے ناموں میں سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد و احمد ہوں، میں ماحی ہوں میرے ذریعہ اللہ کفر کو مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں جس کے بعد (پیچھے) لوگ جمع کئے جائیں گے اور میں عاقب ہوں"۔(عاقب جسکے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا)(۳)۔

"وآلہ" یہاں آل سے مراد آپ ﷺ کے گھر کے پاکیزہ لوگ ہیں کیونکہ اسکے بعد اصحاب کا ذکر ہے۔

"وصحبہ" ہر وہ شخص رسول ﷺ کے ساتھیوں میں سے ہے جس نے ایمان کی حالت میں آپ ﷺ سے ملاقات کی اور ایمان ہی کی حالت میں وفات پائی۔آپ ﷺ کے

---

[1] (آپ ﷺ کے دادا عدنان تک اس نسب کی صحت پر سیر وانساب کے علماء کا اتفاق ہے، جیسا کہ ابن ھشام نے السیرۃ النبویۃ ۱/۲ میں اسے ذکر کیا ہے اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب زاد المعاد ۱/۸۶۔۹۷، میں آپ ﷺ کے ناموں کے ذکر اور انکے معانی کی شرح میں تفصیل سے بیان کی ہے)

(۲) [الصف:۷]۔

(۳) (بخاری ۳۸۹۶، مسلم ۲۳۵۴، بروایت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ)۔

اصحاب کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہر وہ شخص جسکی نبی ﷺ سے صحبت ثابت ہے، اسکا احترام اور اس سے محبت ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اگر کوئی اللہ کی راہ میں احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کردے تو بھی صحابہ کے ایک مد بلکہ نصف مد کے برابر نہیں پہونچ سکتا([1])۔ اسی لئے نبی ﷺ نے انہیں نشانہ بنانے اور انکی توہین کرنے سے بڑی سختی کے ساتھ روکا ہے۔ یہ بڑا سنگین معاملہ ہے بسا اوقات آدمی دین اسلام ہی سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ان نفوس کی توہین کا ارتکاب ہے جنکی اللہ نے سات آسمان اوپر سے تعریف بیان کی ہے۔

اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: "محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی کافروں پے سخت ہیں اور آپس میں رحم دل۔ تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں، اللہ کے فضل ورضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے۔ انکی یہی مثال تورات میں ہے اور یہی مثال انجیل میں ہے۔ مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا انکھوا نکالا، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے"[(۲)]۔ اور ارشادِ باری

---

[1] بخاری:۳۶۷۳ بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ومسلم:۶۵۷۹ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

(۲) [الفتح:۲۹]۔

ہے: "تو کہہ دے کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے اور اسکے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنھیں یہ لوگ شریک ٹھہرا رہے ہیں"(۱)۔

اس آیت کی تفسیر پیش کرتے وقت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: سلف کی ایک جماعت نے کہا ہیکہ اس سے نبی ﷺ کے ساتھی (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) مراد ہیں اور بلاشبہ اس امت کے برگزیدہ بندوں میں سب سے افضل وہی تھے"(۲)۔

"امابعد" یہ ایسا کلمہ ہے جسے مطلوبہ موضوع میں داخل ہوتے وقت ذکر کیا جاتا ہے اور اسکا معنی ہے "بہر حال جو کچھ ہو" اسے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی حدیث میں واقعہ کسوف (سورج گرہن) کے موقع پر آپ ﷺ نے استعمال کیا ہے۔ اس میں ہے "اور آپ ﷺ نے لوگوں کو خطاب فرمایا، اللہ کی کماحقہ تعریف بیان کی پھر کہا "امابعد""(۳)۔

سببِ تحریر:

نماز کی صفت سے مراد اسکی کیفیت ہے۔ یعنی نماز کی وہ شرعی ہیئت جو نبی ﷺ سے مروی ہے۔ (میں نے چاہا کہ اسے ہر مسلمان مرد و عورت کی خدمت میں مختصرا پیش کردوں) خواہ وہ عوام ہوں یا طلبہ تاکہ ان باتوں کی آسانی واختصار، اسکی اہمیت وضرورت سے

---

(۱) [النمل:۵۹]۔

(۲) (منهاج السنة النبوية ١٥٦/١)۔

(۳) (بخاری ۹۲۲، مسلم ۹۰۵)۔

تمام مسلمان فائدہ اٹھا سکیں اور حتی الامکان نمازِ نبوی ﷺ کی پیروی کر سکیں، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "تم اسی طرح نماز ادا کرو، جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھے ہو"(۱)۔

واضح رہے کہ عبادت اس وقت تک درست و قابل قبول نہیں، جب تک کہ اس میں دو شرطیں نہ پائی جائیں:

پہلی شرط: اخلاص۔

دوسری شرط: اتباع (رسول ﷺ کی)۔

اخلاص اللہ کے لئے، متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ نماز ان عبادات میں سے ہے کہ جن میں بیک وقت ان دونوں شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ پس عبادت اسی وقت صحیح ہوگی جب کہ اس میں اخلاص ہو اور رسول ﷺ کی اتباع ہو۔ اسکے پورے ارکان و شروط اور سنن ادا کئے گئے ہوں اور اس میں مخل چیزوں سے اجتناب کیا گیا ہو۔ اللہ نے فرمایا: "آپ کہہ دیجئے کہ میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہیکہ سب کا معبود صرف ایک ہی ہے۔ لہذا جسے بھی اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائے"(۲)۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "اخلاص و اقتداء کے بغیر عمل کی مثال اس مسافر کی طرح ہے جو اپنے جھولے میں ریت بھر کر بے فائدہ اسے ادھر ادھر لادے پھرتا

---

(۱) (بخاری ۶۳۱)۔

(۲) [کہف: ۱۱۰]۔

ہے "[1]۔ شیخ عبد الرحمان بن ناصر السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں ": یہی وہ چیز ہے جس نے اخلاص ومتابعت کو اکٹھا کر دیا ہے اور یہی شخص اپنا مطلوب و مقصود حاصل کر سکے گا اور جو اس کے بر عکس ہے وہ دنیا و آخرت میں خائب و خاسر ہو گا، اپنے پروردگار کی خوشنودی و قربت سے کافی دور ہو گا "[2]

❁❁❁

(۱) (الفوائد ص:۶۷)۔

(۲) (تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان ۸۸/۵)۔

وضوء کا بیان

(۱)۔ نمازی اسباغ (اچھی طرح وضوء) کرے۔اسباغِ وضوء کا مطلب یہ ہیکہ ،ان اعضاء کو مکمل طور سے دھلے جنکا دھلنا واجب ہے،اسراف وفضول خرچی نہ ہو۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ :"اگر نمازی اچھی طرح وضوء کرے اور نماز ہی کی غرض سے مسجد جائے تو ہر ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند کیا جائے گا اور اس کی ایک غلطی معاف کردی جائے گی..."[۱]۔

(اچھی طرح وضوء کا مطلب یہ ہے) کہ وضو بالترتیب اللہ کے حکم کے مطابق ہو۔یعنی چہرہ دھلے (کلی اور ناک کا جھاڑنا اس میں داخل ہے)۔دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھلے،کان کے ساتھ پورے سر کا مسح کرے۔پھر ٹخنوں سمیت دونوں پیر یکے بعد دیگرے دھلے۔اللہ کے اس حکم کے مطابق :"اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو،اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھولو"[۲]۔

---

(۱) (بخاری ۶۴۷، مسلم ۶۴۹)۔

(۲) [المائدۃ:۷]۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے :"وضوء کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں ہوتی "[1]۔اور آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس نے صحیح سے نماز نہیں پڑھی تھی :"جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اچھی طرح سے وضوء کر لو"[2]۔

ناپاکی کی حالت میں نماز کا حکم:

مسئلہ: بلاوضوء یا ناپاکی کی حالت میں نماز کا حکم، خواہ نمازی سرے سے جانتا ہی نہ ہو یا بھول گیا ہو۔

ناپاک آدمی کی نماز (ناپاکی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی) چاہے وہ جانتا ہی نہ ہو یا بھول گیا ہو صحیح نہیں ہے۔اور ناپاکی کی حالت میں جو نماز پڑھی ہے اس کا دہرانا ضروری ہے، کیونکہ اسکی نماز باطل ہو گئی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"اللہ ناپاکی کی حالت میں تم میں سے کسی کی نماز قبول نہیں فرماتا ہے یہاں تک کہ وضوء کر لے"[3]۔اور مسلم کی ایک روایت میں ہے"وضوء کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں

---

(۱) (مسلم ۲۲۴)۔

(۲) (بخاری ۶۲۵۱،۶۶۶۷، مسلم ۳۹۷)۔

(۳) (بخاری ۶۹۵۴، مسلم ۲۲۵)۔

ہوتی"[1]۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اسی حدیث سے باب باندھتے ہوئے لکھا ہے

"بابٌ لا تُقبل صلاة بغير طهور"[2]۔

رہا بعض لوگوں کا یہ وہم کہ اللہ بھولنے یا نا جاننے والے سے در گزر کرتا ہے ﷺ کے اس فرمان کے بقول کہ :"اللہ نے میری امت سے خطاونسیان اور جس کے کرنے پر مجبور کیا گیا ہو،اس سے در گزر کیا ہے"[3]۔

تو واضح رہے کہ زیرِ ذکر مسئلہ سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ شرعی قاعدہ یہ ہیکہ حقوق اللہ میں آدمی کی جہالت و بھول چوک سے در گزری صرف منہیات(وہ کام جن سے روکا گیا ہے)میں ہے ماموRات میں نہیں[4]۔

اس مسئلہ میں اصل معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب انہوں نے نماز میں بات کی اور آپ ﷺ نے انکی جہالت کیوجہ سے نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا[1]۔اسی طرح جوتے میں آپ

---

(۱) (مسلم ۲۲۴)۔

(۲) (بخاری ۱/۶۲)۔

(۳) (ابن ماجہ نے روایت کیا ہے،یہ حدیث عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے۔۲۰۴۵،البیہقی ۶/۸۴،امام البانی رحمہ اللہ نے الارواء میں اسے صحیح قرار دیا ہے ۸۲)۔

[4] (ماموRات و منہیات کے بیچ معنی کے اعتبار سے فرق ہے۔کیونکہ ماموRات کا مقصد ان کی مصلحتوں کا قیام ہے اور یہ چیز بغیر کئے حاصل نہیں ہوسکتی۔جبکہ منہیات کا مقصد مفاسد کی وجہ سے ان کے کرنے سے باز رکھنا اور مکلف کا امتحان لینا ہے۔کیونکہ اس کا ارتکاب بسا اوقات جان بوجھ کر کیا جاتا ہے اور نسیان وجہالت میں مکلف ممانعت کے ارتکاب کی نیت نہیں کرتا لہذا،اس میں وہ معذور رہے)۔

ﷺ کی نماز۔ حالانکہ اس میں گندگی لگی تھی یہاںتک کہ جبرئیل علیہ السلام نے انہیں نماز میں اسکی خبر دی پھر آپ ﷺ نے جوتے نکالے اور اپنی نماز پر بناء کی۔ (نئے سرے سے نہیں دہرائے)[۲]۔
برخلاف مامورات کے۔ کیونکہ جب آپ ﷺ نے ایک شخص کے پاؤں میں ناخن کے بقدر سوکھی جگہ دیکھی جہاں وضوء کا پانی نہیں پہونچا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ "واپس جاؤاور اچھی طرح وضوء کرو"[۳]۔

امام ابن عبد البر القرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں": اللہ بغیر طہارت (وضوء) کے کوئی نماز قبول نہیں کرتا خواہ نمازی بھولا ہوا ہو یا جانتا بوجھتا ہو اور اس اصل پہ اجماع ہیکہ نماز میں نسیان (بھول چوک) نماز کے اس فرض کو ساقط نہیں کرتا جس کا بجالانا واجب ہے"[٤]۔

❀❀❀

---

(۱) (مسلم ۵۴۳)۔

(۲) (احمد ۲۰/۳، أبوداؤد ۶۵۰، الدارمی فی سننہ ۳۷۰/۱، ابن خزیمہ فی صحیحہ ۳۸۴/۱ ابن حبان فی صحیحہ ۵۶۰/۵، الحاکم فی المستدرک ۲۶۰/۱، الدارقطنی فی السنن ۳۹۹/۱ یہ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور امام ألبانی رحمہ اللہ نے الارواء میں اسے صحیح قرار دیا ہے ۲۸۴)۔

(۳) (مسلم ۲۴۳)۔

(٤) (التمهيد ۱۷۸/۱)۔

استقبالِ قبلہ

(۲)۔ نمازی قبلہ رُو ہو جائے۔ قبلہ نام اسلئے رکھا گیا ہے کیونکہ نمازی اس کا استقبال کرتا، اسکی نیت اور اسکا قصد کرتا ہے، یہ نماز کا قبلہ ہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کہتے ہیں کہ: "جب نبی ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اسکے تمام گوشوں میں دعاء کی، نماز نہیں پڑھی حتی کہ باہر آ گئے۔ پھر جب نکلے تو قبلہ رو ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور فرمایا: "یہی قبلہ ہے"(۱)۔

طاقت ہونے پر مکلف استقبالِ قبلہ کرے گا۔ ہاں اگر استطاعت نہیں ہے تو یہ حکم اس سے ساقط ہو جائے گا۔ اسلئے کہ عاجزی کے وقت وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ نمازی کہیں بھی ہو قبلہ رُو ہونا ضروری ہے خواہ فضاء میں ہو، یا بحر و بر میں۔ اس پر کتاب و سنت اور اجماع کی دلالت موجود ہے۔ قرآن کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿ قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي ٱلسَّمَآءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَىٰهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا۟ وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُۥ ﴾(۲)۔ "ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی جانب اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اب ہم آپ کو اس قبلہ کی جانب متوجہ

---

(۱) (بخاری ۳۹۸، مسلم ۱۳۳۰)۔

(۲) [بقرۃ: ۱۴۴]۔

کریں گے جس سے آپ خوش ہو جائیں گے۔آپ اپنا منہ مسجد حرام کی سمت پھیر لیں اور جہاں کہیں ہوں اپنا رخ اسی طرف پھیرا کریں"۔

سنت سے دلیل نبی ﷺ کا مسئ صلاۃ سے یہ فرمانا کہ :"جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو اچھی طرح وضوء کر، پھر قبلہ رخ ہو اور اللہ اکبر کہہ "[۱]۔اجماع کی دلیل نماز میں استقبالِ قبلہ کے وجوب پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، جسے امام ابن حزم رحمہ اللہ وغیرہ نے نقل کیا ہے [۲]۔اور دنیا بھر کے مسلمانوں کا استقبالِ قبلہ امت اسلامیہ کے اتحاد و اجماع اور انکے کلمہ و سمت کی یکتائی کا ایک مظہر بھی ہے۔

نماز میں التفات:

نمازی اپنے پورے بدن کے ساتھ قبلہ کا استقبال کرے۔قبلہ سے پورا بدن پھیر لینے کی صورت میں نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ استقبالِ قبلہ صحتِ صلوۃ کی شرطوں میں سے ہے۔اور شرعی قاعدہ ہے کہ "اگر شرط نہیں پائی گئی تو مشروط بھی ناپید ہوگا" لہذا، معلوم ہوا کہ استقبالِ قبلہ کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔البتہ معمولی انحراف سے نماز باطل نہیں ہوگی ۔ہاں نماز میں بلا کسی سبب کے ادھر ادھر التفات مکروہ ہے۔کیونکہ نبی ﷺ سے جب اس

---

(۱) (بخاری ۶۲۵۱، مسلم ۳۹۷، بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)۔

(۲) (مراتب الاجماع ص:۲۶)۔

بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:"هواختلاسٌ يختلسه الشيطانُ مِن صلوة العبد"[1]۔وہ اچکنا ہے جسے شیطان بندے کی نماز سے اچک لیتا ہے۔

اگر التفات کسی ضرورت کے تحت ہو تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ بنی عمرو بن عوف کے یہاں صلح کرانے گئے اور نماز کا وقت ہو گیا۔ موذن نے آکر ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ لوگوں کی امامت کرائیں گے ،اقامت کہی جائے ؟تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے۔ چنانچہ انہوں نے نماز شروع کر دی، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور صف میں آکھڑے ہوئے اب لوگوں نے تالی بجائی۔(ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز میں ادھر ادھر ملتفت نہیں ہوتے تھے)لیکن تالیوں کی کثرت کیوجہ سے مڑے اور رسول اللہ ﷺ کو (صف میں)دیکھے۔آپ ﷺ نے انہیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ ہی پر رہو۔ اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا اور پیچھے ہو کر صف میں آکھڑے ہوئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی جب (نماز سے)واپس (فارغ)ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ ابو بکر! جب میں نے تمہیں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا تو اسکی تعمیل میں کیا چیز مانع تھی؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ابو قحافہ (ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کنیت)کے لئے مناسب نہیں تھا کہ رسول ﷺ کی موجودگی میں امامت کرائے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:"کیا بات ہے

---

(۱) (بخاری،۷۵۱،بحدیث ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا)۔

کہ میں نے تمہیں اتنی زیادہ تالیاں بجاتے ہوئے دیکھی ؟اگر نماز میں کسی کو کوئی شبہ ہو تو تسبیح پڑھنا چاہیئے "[1]۔

اسی طرح سخت ضرورت کے تحت وسوسے کے وقت شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگنے کے لئے صرف سر کے ذریعے التفات کرنا جائز ہے۔ عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیکہ وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے :اللہ کے رسول ﷺ! شیطان میرے، میری نماز اور میری قرات کے بیچ حائل ہوتا ہے اور مجھ پر التباس پیدا کرتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: " یہ وہ شیطان ہے جسے "خنزب" کہتے ہیں۔ اگر تمہیں اس کا احساس ہو تو اس سے اللہ کی پناہ مانگو اور اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھو کو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا تو اللہ نے اسے مجھ سے دور کر دیا"[2]۔

نماز میں استقبالِ قبلہ کا حکم:

علماء کا اتفاق ہے کہ پورے بدن کے ساتھ قبلے کا استقبال صحتِ صلاۃ کی ایک شرط ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: "تو جہاں کہیں سے بھی نکلے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے

---

(۱) (بخاری ۶۸۴، مسلم ۴۲۱،اس حدیث کو انکے علاوہ نے بھی روایت کی ہے)۔

(۲) (مسلم ۲۲۰۳)۔

... (۱)۔اور مسیٔ صلاۃ والی حدیث میں آپ ﷺ کا فرمانا: "پھر قبلہ کی طرف رخ کرو اور اللہ اکبر کہو" (۲)۔اور نماز ختم ہونے تک استقبالِ قبلہ کی پاسداری ضروری ہے۔

استقبالِ قبلہ کی استثنائی صورتیں:

کچھ مسائل ایسے ہیں جو اس شرط (استقبالِ قبلہ) سے مستثنی ہیں جیسے:

ا۔ معذور ولاچار شخص: یعنی جو قبلہ رخ ہونے سے عاجز ہو جیسے کوئی بندھا ہو یا غیر قبلہ کی طرف سولی پہ لٹکا یا جارہا ہو اور استقبالِ قبلہ ممکن ہی نہ ہو۔ یا کوئی ایسا مریض ہو جو حرکت کی طاقت نہ رکھتا ہو اور کوئی ہو بھی نہ جو اسے قبلہ رؤ کردے۔ توان صورتوں میں نمازی حسبِ حال جس طرف ہوسکے رخ کرکے نماز ادا کرلے۔ کیوں کہ اللہ کا ارشاد ہے: "اللہ سے اپنی استطاعت بھر ڈرو" (۳)۔

رسول ﷺ نے فرمایا کہ: "جب میں تمھیں کسی کام کا حکم دوں تو استطاعت بھر اسے بجالاؤ" (٤)۔اور فقہی قاعدہ بھی ہے کہ۔(الواجب يسقط مع العجز) عاجزی کے وقت واجب ساقط ہوجاتا ہے۔ اسکی مثال سخت جنگ کی حالت میں صلاۃِ خوف کی بعض صورتیں

---

(۱) [البقرۃ:۱۵۰]۔

(۲) (بخاری ۶۲۵۱، مسلم ۳۹۷ بروایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ)۔

(۳) [تغابن:۱٦]۔

(٤) (بخاری ۷۲۸۸، مسلم ۱۳۳۷)۔

ہیں: جیسے بہت بھاگ دوڑ ہو، آگے پیچھے ہو نا ہو۔ ایسی حالت میں استقبالِ قبلہ ساقط ہے اور یہ عاجزی کی ایک قسم ہو گی۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ انسان دشمن سے بھاگے یا سیلاب، آگ یا زلزلے وغیرہ سے تو اسکی وجہ سے بھی استقبالِ قبلہ ساقط ہو جاتا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں کہ: "اگر خوف کی حالت زیادہ سخت ہو تو وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر ٹھہر کر نماز پڑھتے یا سوار ہو کر۔ خواہ استقبالِ قبلہ ہو یا نہ ہو۔ امام مالک بن انس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نافع نے کہا: میرے خیال سے عبد اللہ بن عمر نے اسے رسول اللہ ﷺ ہی سے بیان کیا ہے[1]۔

۲۔ سفر میں چلتی سواری پہ نفل پڑھنے والا: اسکی دلیل عبد اللہ بن عمر سے مروی وہ روایت ہے جس میں انہوں نے کہا کہ: نبی ﷺ سفر میں فرائض کے علاوہ رات کی نماز اپنی سواری پر اشارے سے پڑھتے تھے جس سمت بھی سواری کا رخ ہوتا۔ اور اسی پر نمازِ وتر بھی پڑھتے تھے[2]۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر پہ ہوتے، نفل نماز کا ارادہ کرتے تو اپنی اونٹنی (سواری) کے ساتھ قبلہ کا استقبال کرتے پھر تکبیر کہتے اور نماز پڑھتے سواری جس طرف بھی رخ کرتی[3]۔ انس بن سیرین رحمہ اللہ سے مروی ہے

---

(۱) (بخاری ۴۵۳۵)۔

(۲) (بخاری ۱۰۰۰، مسلم ۷۰۰)۔

(۳) (ابوداؤد ۱۲۲۵، دار قطنی ۳۹۶/۱، ان دونوں کے علاوہ نے بھی روایت کیا ہے جبکہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابوداؤد میں اسے حسن قرار دیا ہے ۲۸۴)۔

کہتے ہیں کہ: انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) جب شام سے آئے تو ہم نے عین التمر[1] میں انہیں گدھے پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس کا چہرہ قبلہ کے بائیں طرف تھا۔

استقبالِ قبلہ کے حالات:

(۱) نمازی اگر مسجد حرام میں ہو تو ضروری ہے کہ عین قبلہ کی طرف رخ کرے، اس سے انحراف جائز نہیں ہے اگر انحراف کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

(۲) مسجد حرام سے باہر مکہ میں ہو تو ضروری ہیکہ مسجد حرام کی طرف چہرہ کرے۔ کیونکہ ارشادِ باری ہے ﴿وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُۥ﴾[2]۔ یہاں "شطر" کا معنی جہت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مشرق و مغرب کے بیچ قبلہ ہے"[3]۔ اس کا معنی ہے کہ جہتِ مشرق سے جہتِ مغرب کے بیچ قبلہ ہے۔

۳۔ مکہ سے باہر کسی ایسے شہر میں ہو جہاں اسے قبلہ معلوم نہ ہو تو اس شہر والوں سے پوچھنا اس پر ضروری ہے۔ جہتِ مکہ کی تحدید میں اجتہاد کافی نہیں ہوگا اور اگر سوال کے لئے کسی کو نہ پائے تو مسجدوں کے محراب سے اندازہ لگائے اور اس شہر والوں کی تقلید کرے۔ ایسی

---

(۱) (کوفہ کے غرب میں انبار کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے معجم البلدان ۴/۱۷۶)۔

(۲) [البقرۃ:۱۵۰]۔

(۳) (امام مالک نے اسکی تخریج کی ہے ۴۶۱، ترمذی ۳۴۳، ابن ماجہ ۱۰۶۴، دار قطنی ۱/۲۷۰، علامہ البانی نے الارواء ۲۹۲ میں اسے حسن قرار دیا ہے)۔

صورت میں اسکی نماز صحیح ہوگی اور اگر غیر قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھ لیا ہے تو اعادہ ضروری ہے کیونکہ سوال ممکن تھا جس میں اس نے کوتاہی کی ہے۔

۴۔ صحراء یا انسانوں سے خالی کوئی جگہ ہو، یا کافروں کے شہر میں ہو اور قبلہ معلوم نہ ہو سکے۔ تو سورج یا چاند یا ستارے یا مطلع سے استدلال ضروری ہے (اگر ان کی دلالتوں سے آگاہ ہو) یا جدید آلات سے جیسے قطب نما، یا گھڑی وغیرہ سے مدد لے۔اور اگر ان سے ناواقف ہو تو اجتہاد کریگا اب اگر قبلہ کے استقبال میں اجتہاد درست ہوا تو نماز صحیح اور اگر اجتہاد میں غلطی ہوئی تو بھی نماز صحیح ہو جائے گی کیونکہ اس نے کوشش کی ہے کوتاہی نہیں کی۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اگر مسلمان سفر میں ہو یا ایسے شہر میں جہاں قبلہ کی رہنمائی کرنے والا کوئی میسر ہی نہ ہو اور اس نے قبلہ کی جستجو کی ہو پھر بعد میں پتہ چلے کی اس نے غیرِ قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے تو بھی اس کی نماز ہو جائے گی اور اگر ایسا مسلمانوں کے شہر میں ہوا ہو تو نماز درست نہیں ہوگی کیونکہ قبلہ کی رہنمائی کرنے والے سے پوچھنا ممکن تھا، اسی طرح مساجد کے راستے سے بھی قبلہ کی معرفت ممکن تھی" [۱]۔

۵۔ اگر سفر میں ہے تو نفل نماز میں استقبالِ قبلہ ضروری نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ سفر میں اپنی سواری پر نماز پڑھتے تھے۔ جس طرف بھی اس کا (سواری کا) رخ ہوتا [۲]۔

---

(۱) (مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ ۱۰/۴۲۰)۔

(۲) (بخاری ۱۰۰۰، مسلم ۷۰۰)۔

٦۔اگر نمازی نابینا ہے تو ضروری ہے کہ قبلہ جاننے والے سے سوال کرے اور اگر قبلہ کی رہنمائی کرنے والا کوئی دستیاب نہ ہو تو اجتہاد کر کے نماز پڑھ لے اور اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنی استطاعت بھر کوشش کی ہے۔اللہ نے فرمایا:"اللہ کسی نفس کو اسکی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"(١)۔

لیکن اگر اس نے قبلہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی اور غلط سمت میں نماز پڑھ لی تو نماز دہرائے گا۔البتہ اگر قبلہ سے معمولی انحراف رہا تو اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا بلکہ نماز ہو جائے گی۔

❀❀❀

(١) [بقرۃ:٢٨٦]۔

نماز میں نیت

استقبالِ قبلہ کے وقت دل سے نیت کرے کیونکہ محل نیت دل ہے۔ چنانچہ وہ اس نماز کی نیت کرے جسے پڑھنا چاہتا ہے خواہ وہ فرض ہو یا نفل ہو، مطلق ہو یا مقید۔ زبان سے نیت نہیں کرے گا، یہ نہیں کہے گا کہ "میں نیت کرتا ہوں دو رکعت نماز فجر کی، بطورِ فرض یا بطور ادا یا قضاء، یا میں نیت کرتا ہوں عشاء کی دو رکعت نماز نفل کی۔ یا اس جیسی کوئی بھی عبارت ۔کیونکہ زبان سے بولنا مشروع نہیں بلکہ یہ بدعت ہے۔ جس کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: "جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے"(۱)۔ نبی ﷺ نے زبان سے نیت نہیں کی ہے بلکہ مسئ صلاۃ سے فرمایا: "جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو"(۲)۔ منہ سے نیت کا حکم نہیں دیا جبکہ ضرورت کے وقت سے بیان کو موخر کرنا جائز نہیں ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی ﷺ تکبیر سے اپنی نماز شروع کرتے تھے۔ چنانچہ زبان سے نیت نہ نبی ﷺ کا عمل تھا نہ ہی صحابہ کا اور جس نے بھی اس کا دعوی کیا تو اسکی بات رد کر دی جائے گی۔ کیونکہ بھلائی نبی اور انکے اصحاب کی پیروی میں ہے۔ دین مکمل ہو چکا ہے اس میں رتی بھر اضافے کی گنجائش نہیں ہے اللہ نے فرمایا: "آج میں نے

---

(۱) (بخاری ۲۶۹۷، مسلم ۱۷۱۸)۔

(۲) (بخاری ۶۲۵۱، مسلم ۳۹۷ بروایت ابوہریرہ)۔

تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے بطور دین اسلام کو پسند فرمایا"[۱]۔

چنانچہ جس طرح دین میں کمی اسکے کمال و تمام میں کمی ہے اسی طرح دین میں زیادتی بھی ایک طرح کا نقص ہے اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ رد کر دیا جائے گا"[۲]۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "زبان سے نیت کرنا دین و عقل دونوں کا نقص ہے۔ دین کی کمی اس لئے کیونکہ یہ بدعت ہے اور عقل کی کمی اس ناحیے سے کیونکہ یہ اس شخص کی طرح ہے جو کھانے کا ارادہ کرے اور یوں کہے: میں نیت کرتا ہوں اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھنے کی، چاہتا ہوں کہ اس میں سے ایک لقمہ لوں، پھر منہ میں رکھوں، اسے چباؤں اور آسودہ ہونے کے لئے اسے نگل جاؤں۔ تو یہ عین حماقت و جہالت ہے[۳]۔

مزید فرماتے ہیں کہ: "مسلمانوں کے اتفاق کے ساتھ اجہارِ نیت (بول کر زور سے نیت کرنا) نہ واجب ہے نہ مستحب بلکہ بول کر نیت کرنے والا بدعتی ہے، شریعت کا مخالف

---

(۱) [مائدۃ:۳]۔

(۲) (مسلم ۱۷۱۸ بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا)۔

(۳) (الفتاوی الکبری ۲/۲۱۳)۔

ہے، شریعت سمجھ کر اسے کرنے والا جاہل و گمراہ اور تعزیر کا مستحق ہے بلکہ اگر نہ مانے تو سزا کا بھی "[۱]۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ : "نبی ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو "اللہ اکبر" کہتے اس سے پہلے کچھ نہیں کہتے تھے، بول کر قطعانیت نہیں کرتے اور یہ نہیں کہتے تھے کہ میں چار رکعت نماز پڑھتا ہوں ، قبلہ رخ ہو کر بطورِ امام یا بطورِ مقتدی ،اور نہ ہی یہ فرماتے : ادا نماز یا قضاء نماز اور نہ ہی یہ کہتے کہ : فلاں وقت کی فرض نماز۔ یہ دس ایسی بدعتیں ہیں جن کے بارے میں ایک لفظ بھی کسی سے منقول نہیں ہے نہ صحیح سند سے نہ ہی ضعیف سند سے نہ ہی مسند نہ ہی مرسل۔ نہ کسی صحابی نے روایت کیا ہے نہ کسی تابعی نے مستحسن قرار دیا ہے اور نہ ہی چاروں اماموں میں سے کچھ ثابت ہے [۲]۔

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بول کر نیت کرنا بدعت ہے، بلند آواز سے اسے ادا کرنا سخت گناہ ہے۔ سنت تو یہی ہے ہیکہ دل سے نیت کی جائے کیونکہ اللہ مخفی چیزوں کو بھی جانتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: "کہہ دیجئے! کہ کیا تم اللہ تعالی کو اپنی دینداری سے آگاہ کر رہے ہو اللہ زمین و آسمان کی ہر چیز سے بخوبی آگاہ ہے اور اللہ ہر چیز کا

---

(۱) (مجموع الفتاوی ۲۲/۲۱۸۔۲۱۹)۔

(۲) (زاد المعاد ۱/۲۰۱)۔

جاننے والا ہے"[1]۔ زبان سے نیت نہ نبی ﷺ سے، نہ کسی صحابی اور نہ ہی ائمہ متبوعین میں سے کسی سے ثابت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ایک بدعت ہے[2]۔

علامہ ناصرالدین البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں": جان لیں! کہ زبان سے نیت کرنا مشروع نہیں ہے نہ احرام میں نہ ہی اسکے علاوہ کسی عبادت میں۔ جیسے طہارت، نمازاور روزہ وغیرہ بلکہ نیت تو بس دل سے ہوتی ہے۔ زبان سے نیت کرنا بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم رسید کرنے والی ہے[3]۔

❁❁❁

---

(۱) (حجرات:۱۶)۔

(۲) (مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ ۱۰/۴۲۳)۔

(۳) (حجۃ النبی ﷺ کمارواھا عنہ جابر ص:۴۸)۔

سترہ کے احکام

نمازی کا اپنے لئے سترہ رکھنا تاکیدی طور پر مستحب ہے۔ سترہ اس حائل کو کہتے ہیں جو نمازی دو تہائی ہاتھ کے برابر سواری کے کجاوے کی مانند اپنے سامنے رکھتا ہے ،جو گزرنے والے سے پردہ کرتا ہے تاکہ نماز منقطع نہ ہو اور جو چیزیں اس کے پیچھے ہوتی ہیں ان سے نگاہ کو روکتا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ غزوہ تبوک میں نمازی کے سترہ کے بارے میں آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "سواری کے کجاوہ کی مانند "۔(سترہ ہونا چاہیئے)[۱]۔

امام ہونے کی صورت میں آدمی سترہ رکھ کر نماز پڑھے گا۔ کیونکہ امام کا سترہ مقتدیوں کا بھی سترہ ہے۔ جیساکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیحین میں وارد ہے(انہوں نے کہا)"میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا،ان دنوں میں سنِ بلوغت کے قریب تھا۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ منی میں بغیر کسی دیوار کے لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ بعض صفوں کے سامنے سے میرا گزر ہوا، میں (سواری سے) اترا، اسے چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور خود صف میں داخل ہو گیا، لیکن کسی نے میرے اس فعل پر کوئی نکیر نہیں کی"[۲]۔

---

(۱) (مسلم ۵۰۰)۔

(۲) (بخاری ۴۹۳، مسلم ۵۰۴)۔

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے گدھے پر سوار ہو کر بعض صفوں کے سامنے سے گزرے اوران پر نکیر نہیں کی گئی۔ حالانکہ گدھے کے گزرنے سے نماز منقطع ہو جاتی ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ امام کا سترہ اس کے پیچھے والوں کا بھی سترہ ہے۔اور انکار نہ کرنا گزرنے اور نماز کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔اس حدیث کی بنیاد پر امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر باب ہی باندھا ہے"باب سترة الإمام سترة مَن خلفه"امام کا سترہ اسکے پیچھے مقتدیوں کا بھی سترہ ہے۔

نمازی اگر امام یا منفرد ہے تو چاہئے کہ سترہ رکھ لے کیونکہ منفرد کسی کے تابع نہیں ہوتا بلکہ اکیلے نماز پڑھ رہا ہوتا ہے۔اسلئے کچھ احکام اسکے لئے خاص ہوتے ہیں جن میں سے سترہ بھی ہے۔ نبی ﷺ سے مروی بہت سے نصوص ہیں جن میں سترہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر ابھارا گیا ہے،ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ سبرہ بن معبد الجھنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنی نماز کے لئے سترہ اختیار کرے خواہ ایک تیر ہی کیوں نہ ہو"[(۱)]۔

---

(۱) (أحمد ۳/۴۰۴،ابن أبي شيبه فی مصنفه ۱/۲۴۹،البغوی فی شرح السنة ۲/۴۰۳،ابن خزیمه فی صحیحه ۲/۱۳،البیھقی فی السنن الکبری ۲/۲۷۰ بیھقی اور ابن خزیمۃ میں یہ الفاظ ہیں"استتروا فی صلاتکم "امام البانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الصحیحۃ ۲۷۸۳ میں اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

۲۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے چہرے کی طرف کوئی چیز رکھ لے، اگر کچھ نہ پائے تو لاٹھی ہی کھڑی کر دے، اگر لاٹھی پاس نہ ہو تو ایک خط ہی کھینچ دے پھر جو اسکے سامنے سے گزرے گا اسے نقصان نہیں پہونچائے گا"[۱]۔

۳۔جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی سترہ کے ساتھ نماز پڑھے تو چاہئے کہ اس سے قریب ہو جائے پھر شیطان اسکی نماز نہیں کاٹ سکتا"[۲]۔

۴۔ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عید کے دن نکلتے تو نیزے کا حکم دیتے، اسے آپ کے سامنے رکھا جاتا، اسی کی طرف نماز پڑھتے اور لوگ اسکے پیچھے ہوتے نیز سفر میں بھی اسی طرح کرتے تھے[۳]۔

۵۔ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی سواری کو آگے کرتے پھر اسکی طرف نماز پڑھتے تھے....[٤]

---

(۱) (احمد ۲/۲۴۹، ابوداؤد ٦۸۹، ابن ماجہ ۹۴۳، امام البانی نے اسے تمام المنۃ ص: ۳۰۰ میں ضعیف قرار دیا ہے)

(۲) (احمد ۴/۲، ابوداؤد ٦۹۵، نسائی ۷۴۸، امام البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، السلسلۃ الصحیحۃ: ۱۳۸٦)۔

(۳) (بخاری ۴۹۴، مسلم ۵۰۱)۔

(٤) (بخاری ۵۰۷، مسلم ۵۰۲)۔

مسجد حرام میں سترے کا حکم:

اصل یہ ہیکہ نمازی سترہ اپنانے کی پوری کوشش کرے چاہے وہ مسجد حرام ہو یا کوئی اور جگہ۔ کیوں کہ سترے کا عمومی حکم سنت سے ثابت ہے اور استثناء کی کوئی دلیل وارد نہیں ہے اور شرعی قاعدہ ہے کہ عام اپنے عموم پر باقی رہے گا یہاں تک کہ اس کی تخصیص وارد ہو۔ بلکہ بعض صحابہ کرام سے حرم میں بھی سترہ اپنانا ثابت ہے۔ یحی بن کثیر کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ مسجد میں داخل ہوئے، سامنے کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھنے لگے"[۱]۔

یہ زیرِ ذکر مسئلے میں صریح اثر ہے۔ صالح بن کیسان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور وہ اپنے سامنے سے کسی کو گزرنے نہیں دیتے تھے[۲]۔

لیکن اہل علم نے مسجد حرام کو اس سے مستثنی قرار دیا ہے کیونکہ یہاں گزرنے والوں سے بچنا کٹھن ہے ہاں اگر احتراز ممکن ہو تو ضرور کرنا چاہئے۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں: "مسجد حرام میں سترہ کی حاجت نہیں ہے کیونکہ سب ایک ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور انہیں سترہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی اکثر علماء کی رائے ہے۔ کیونکہ یہاں گزرنے والے سے بچنا مشکل ہے۔ اگر کوئی عورت وغیرہ گزرتی ہے تو نماز منقطع نہیں ہوگی، بلکہ صحیح

---

(۱) (رواہ ابن سعد فی الطبقات ۷/۱۸، ابن جریر فی تہذیب الآثار ۱/۲۸۱)

(۲) (رواہ ابوزرعہ فی تاریخ دمشق 91/1، وابن عساکر ایضا فی تاریخ دمشق 106/8)

ہو گی ۔اور مسجد حرام میں اس سے (گزرنے والے سے) بچ پانا کٹھن اور بس سے باہر ہے۔ایک ضعیف حدیث میں آیاہیکہ عورت وغیرہ آپﷺ کے سامنے سے گزرتی تھیں اور آپﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نماز پڑھتے تھے اور لوگ انکے سامنے طواف کررہے ہوتے تھے۔ حاصلِ کلام یہ کہ مسجد حرام میں نمازیوں کو سترے کی حاجت نہیں ہے[۱]۔

❀❀❀

(۱) (مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ ۱۱/۱۰۳)۔

تکبیرِ تحریمہ

(۳)- پھر نمازی تکبیرِ تحریمہ کہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کیوجہ سے کہ :"اور تکبیر کچھ حلال چیزوں کو حرام کردیتی ہے"[۱]۔اس کا نام "تکبیرِ تحریمہ "اس لئے رکھا گیاہے کیونکہ اس سے نمازی پر کچھ مخصوص چیزیں حرام ہوجاتی ہیں جیسے بات چیت، کھاناپیناوغیرہ۔

نمازی "اللہ اکبر" کہتے ہوئے تکبیرِ تحریمہ کہے۔کیونکہ اس لفظ کے بغیر نماز میں داخل نہیں ہوا جاسکتا۔اگر "اللہ اعلم" یا "اللہ اعظم" کہاتو نماز نہیں ہوگی۔اس لئے کہ ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیکہ نبی ﷺ جب نماز کاارادہ کرتے تو سیدھے کھڑے ہوجاتے، اپنا ہاتھ اٹھاتے، یہاں تک کہ کندھوں کے برابر لے جاتے پھر کہتے "اللہ اکبر"[۲]۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ : "متواتر نقل اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہیکہ نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم تکبیر (تحریمہ) سے نماز شروع کرتے تھے"[۳]۔امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "صحابہ اور انکے بعد (تابعین) میں سے اہل علم کا اسی

---

(۱) (احمد و ا/۱۲۳، ابوداؤد ۶۱، ترمذی ۲۶۸، ابن ماجہ ۲۷۵، اور ان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی علی بن ابی طالب کی حدیث سے روایت کیاہے، امام ترمذی رحمہ اللہ عنہ نے کہایہ حدیث اس باب میں سب سے صحیح ہے)۔

(۲) (مالک فی الموطا ۱/۷۹، احمد ۵/۴۲۴، ترمذی ۳۰۵، ابن ماجہ ۹۱۱، ابن خزیمہ ۱/۳۳۷، اور اسے امام البانی رحمہ اللہ نے الارواء ۳۰۴ میں اسے صحیح قرار دیاہے)۔

(۳) (فتاوی ۲۲/۲۳۷)۔

پر عمل رہا ہے"[1]۔اس بنیاد پر نمازی کا یہ کہنا درست نہیں ہے"الله الأكبر" یا "لا إله إلا الله" یا "الله الجليل" وغیرہ۔ "اللہ اکبر" کہنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ ہر چیز سے بڑا ہے،اپنی ذات،اسماء وصفات اور تمام چیزوں میں ہر اس معنی کے ساتھ جس کا یہ لفظ متحمل ہے۔

نماز میں نگاہ کی جگہ:

آسمان کی طرف نمازی کو اپنی نگاہ اٹھانے سے بچنا چاہئے کیونکہ یہ حرام ہے بلکہ بڑے گناہوں میں سے ہے،البتہ اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے،نماز میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں"اس بارے میں آپ ﷺ نے نہایت ہی سخت جملہ استعمال کیا یہاں تک کہ فرمایا: "لوگ اس سے باز آجائیں ورنہ انکی نگاہیں اچک لی جائیں گی"[2]۔

نمازی کے لئے ضروری ہے کہ اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ پر رکھے۔چاہے وہ کھڑا ہو یا رکوع میں ہو یا بیٹھا ہو،خانہ کعبہ کے پاس ہو یا کہیں اور۔جائے سجدہ پر نگاہ کا ہونا زیادہ خشوع وخضوع اور نظر کے ٹھہراؤ کا باعث ہے۔نبی ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تو سر جھکا لیتے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:(لوگ نماز میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے تھے،پھر جب اللہ نے یہ آیت﴿ٱلَّذِينَ هُمۡ فِي صَلَاتِهِمۡ

---

(۱) (ترمذی ۲/۳)۔

(۲) (بخاری:750)۔

خَٰشِعُونَ ﴾ (۱)۔نازل فرمائی تو انہوں نے اپنی نگاہیں اپنے سجدہ کی جگہ پر گاڑدی (۲)۔ام المؤمنین عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "رسول اللہ ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کی نگاہ اپنے سجدے کی جگہ سے ہٹی نہیں یہاںتک کہ وہاں سے نکل آئے" (۳)۔

تنبیہ:

فرض نماز کے لئے تکبیرِ تحریمہ کا مقام حالتِ قیام (استطاعت رکھنے پر) ہے اور اگراس نے کھڑے ہوئے بغیر تکبیر کہی، یاابتدا کی یانماز پڑھ لی تو اسکی یہ نماز نفل کے طور پر صحیح ہوگی اگروقت رہاتو کھڑے ہوکر نئے سرے سے فرض پڑھے گا۔

امام کے ساتھ رکوع پانے والے کا حکم:

جس نے امام کو رکوع کی حالت میں پایااور اسکے ساتھ داخل ہونا چاہتاہے تو کھڑے ہو کر تکبیرِ تحریمہ کہے گا، پھر رکوع کے لئے جھکتے وقت "اللہ اکبر" کہے گا۔کیونکہ پہلی تکبیرِ تحریمہ ہوگی جس کا مقام قیام ہےاور دوسری رکوع کی تکبیر جس کا مقام رکوع کے لئے جھکنا ہے۔

---

(۱) [المومنون:۲]۔

(۲) (ابن جریر طبری نےاپنی تفسیر میں اسکو روایت کیاہے ۱۰/۶۲۴۴)۔

(۳) (حاکم ۱/۴۷۹، بیھقی ۵/۱۵۸الارواء ۲/۷۳ میں البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں: "مسلمان جب مسجد میں داخل ہو رہا ہو اور امام رکوع کی حالت میں ہو تو اسکے لئے اس حال میں دو تکبیر کے ساتھ صف میں داخل ہونا مشروع ہے۔ پہلی تکبیرِ تحریمہ کھڑے ہونے کی حالت میں اور دوسری رکوع کے لئے ہے ۔اور قلتِ وقت کی بناء پر ایسی حالت میں نہ دعاء استفتاح مشروع ہے نہ ہی سورہ فاتحہ۔ یہ رکعت اسکے لئے کفایت کریگی، جیسا کہ صحیح بخاری میں ابو بکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک دن مسجد میں داخل ہوئے اور نبی ﷺ رکوع کی حالت میں تھے تو صف سے باہر ہی یہ بھی رکوع میں چلے گئے پھر صف میں (رکوع کی حالت میں) داخل ہوئے تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: "اللہ تمہاری حرص بڑھائے لیکن آئندہ ایسا مت کرنا" آپ ﷺ نے انہیں اس رکعت کی قضاء کا حکم نہیں دیا۔ یہ اس کے کافی ہونے کی دلیل ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ اگر کوئی مسجد میں آئے جبکہ لوگ رکوع کی حالت میں ہوں تو وہ تنہا رکوع نہیں کریگا بلکہ ضروری ہیکہ پہلے صف میں شامل ہوا اگرچہ رکوع چھوٹ جائے کیونکہ آپ ﷺ نے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اللہ تمہاری حرص بڑھائے البتہ دوبارہ ایسا مت کرنا" اللہ ولی التوفیق[1]۔

❁❁❁

(۱) (مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ ۱۱/۲۴۱)۔

تکبیر کے لئے رفع الیدین

(۴)۔ نمازی کے لئے مستحب ہے کہ "تکبیرِ تحریمہ" کہتے وقت اپنے ہاتھ مونڈھوں کے برابر اٹھائے۔ دونوں ہاتھ کھلے ہوں، انگلیاں ملی ہوں اور ہتھیلی کا اندرونی حصہ قبلہ کی طرف ہو۔ مونڈھوں کے برابر اٹھانے کا مطلب یہ ہیکہ دونوں ہاتھ کندھوں کے مقابل میں ہوں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ": رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو مونڈھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے تھے"[(۱)]۔

کان کی لو تک بھی ہاتھ اٹھانا ثابت ہے اور یہ رفع الیدین کی آخری حد ہے۔ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ جب اللہ اکبر کہتے تو اپنے ہاتھ کان کی لو کے برابر اٹھاتے تھے"[(۲)]۔ چنانچہ نمازی کو اختیار ہے چاہے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے یا کان کی لو تک۔ یہ عبادت کی ادائیگی میں شکل کی تبدیلی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کبھی اس پر عمل کرے اور کبھی اس پر۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: مونڈھوں یا کان کی لو تک ہاتھ اٹھانے کا نمازی کو اختیار ہے۔ مطلب یہ ہیکہ انگلیوں کا کنارہ کان کی لو تک لے جائے اور یہ دونوں صورتیں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں[(۳)]۔

---

(۱) (بخاری ۷۳۵، ۷۳۶، مسلم ۳۹۰)۔

(۲) (مسلم ۳۹۱)۔

(۳) (المغنی ۲/۱۳۷)۔

تنبیہ: یہ **فعل** مرد و عورت دونوں کے لئے ہے، عورت اس میں (نماز کے بارے میں) مرد کی مانند ہے۔ کیونکہ اصل یہی ہیکہ جو مردوں کے حق میں ثابت ہے وہی عورتوں کے حق میں بھی اور جو عورتوں کے حق میں ثابت ہے وہی مردوں کے حق میں بھی۔ سوائے اسکے جسے کوئی دلیل ان میں کسی کے لئے خاص کر دے۔

❁❁❁

حالتِ قیام میں ہاتھ رکھنے کا بیان

(۵)۔ نمازی تکبیر کے بعد اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے اس طرح کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر، یا بائیں ہاتھ پر ہو، یا بائیں کی کلائی دائیں ہاتھ کی کلائی سے پکڑے رہے۔ کیونکہ نبی ﷺ سے ایسا ہی ثابت ہے۔ اسکی درج ذیل تین حالتیں بنتی ہیں:

پہلی حالت :

اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے پشت و پہنچے اور بازو پر رکھے۔ اسکی دلیل وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو اپنا ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا جب آپ ﷺ نماز میں داخل ہوئے اور تکبیر کہی۔ پھر اپنے کپڑے میں لپٹ گئے اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا[۱]۔ انہیں سے مروی ہے کہتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے ہوئے دیکھا جو کہ پہنچے کے قریب تھا"[۲]۔ اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے[۳]۔

---

(۱) (مسلم ۴۰۱)۔

(۲) (احمد ۳۱۸/۴ مسند احمد کے محقق شعیب ارنؤوط نے اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

(۳) (ابوداؤد ۷۵۵)۔

دوسری حالت:

اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :لوگ (صحابہ) حکم دیتے تھے کہ آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے" ابو حازم نے کہا (میرے علم میں وہ اس قول کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے)[۱]۔

تیسری حالت:

اپنا بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ سے پکڑے رہے اور اسکی دلیل وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ انہوں نے کہا کہ ": میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تو داہنے ہاتھ سے بائیں کو پکڑے رہتے تھے"[۲]۔ قبیصہ بن ھلب الطائی اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :"رسول اللہ ﷺ ہماری امامت کراتے اور اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں کو پکڑے رہتے تھے"[۳]۔

---

(۱) (بخاری ۷۴۰)۔

(۲) (نسائی ۸۹۵، الدار قطنی ۲۸۶/۱، امام البانی رحمہ اللہ نے صفۃ صلاۃ النبی ص:۸۸ میں اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

(۳) (احمد ۲۲۶/۵، والترمذی ۲۵۲، ابن ماجہ ۸۵۸، امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: ھلب کی حدیث حسن ہے ۔ صحابہ، تابعین اور انکے بعد اہل علم کا اسی پر عمل رہا ہے، ان کا خیال تھا کہ آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے۔ سنن ترمذی ۳۲/۲، امام البانی رحمہ اللہ نے صحیح سنن ابن ماجہ میں اسے حسن قرار دیا ہے ۶۰۹)۔

مسئلہ: نمازی جب اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے تو انہیں کہاں رکھے گا؟

راجح یہی ہے (واللہ اعلم) کہ ہاتھوں سینے پر رکھے گا۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ ": میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا سینے کے اوپر"(۱)۔ اس باب میں یہ سب سے صحیح حدیث ہے۔

احکام الجنائز میں شیخ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سینے پر ہاتھ رکھنا سنت ہے، اس بارے میں یہ تین حدیثیں ہیں اور جو شخص ان سے واقف ہے اسے اس بارے میں کوئی تردد نہیں ہو گا کہ یہ حدیثیں اس مسئلہ پر قابل استدلال ہیں"(۲)۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "سنت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نمازی کے لئے قیام کی حالت میں دائیں ہتھیلی کو بائیں پر سینے کے اوپر رکھنا افضل ہے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی۔ کیونکہ یہ وائل بن حجر اور قبیصہ بن ھلب الطائی رضی اللہ عنہ (جو کہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں) کی حدیث سے ثابت ہے اور سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ اور رہا ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھنا تو اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف حدیث مروی ہے۔ جبکہ ہاتھوں کو چھوڑے رکھنا یا انہیں داڑھی کے نیچے رکھنا یہ سنت کے خلاف ہے۔ واللہ ولی التوفیق(۳)۔

---

(۱) (ابن خزیمہ ۱/۲۴۳، البیھقی فی السنن الکبری ۲/۳۰)۔

(۲) (احکام الجنائز ص:۱۱۸)۔

(۳) (مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ ۱۱/۹۸)۔

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "دوسرے اہلِ علم اس بات کے قائل ہیں کہ نمازی دونوں ہاتھ سینے پر رکھے اور یہی سب سے درست قول ہے"[1]۔

❁❁❁

(۱) (الشرح الممتع ۴۶/۳)۔

دعاءِ استفتاح

تکبیرِ تحریمہ کے بعد اور سورہ فاتحہ سے پہلے نمازی کے لئے دعاء استفتاح پڑھنا مسنون ہے " اللهم بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كما بَاعَدْتَ بين الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اللهم نَقِّنِي من الْخَطَايَا كما يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ من الدَّنَسِ اللهم اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ" (۱)۔ اے اللہ !تو میرے اور میرے گناہوں کے درمیان ایسی دوری کردے، جیسی دوری تو نے مشرق و مغرب کے درمیان رکھی ہے۔اے اللہ! مجھے میرے گناہوں سے اس طرح پاک و صاف کردے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے۔اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں سے دھل دے۔

نمازی چاہے تو یہ دعاء استفتاح بھی پڑھ سکتا ہے"سبحانَکَ اللّٰھم وبحمدِک، وتبارکَ اسمُک، وتعالی جدّکَ(۲) ولا إلهَ غیرُک"(۳)۔اے اللہ !تو پاک ہے اپنی حمد

---

(۱) (بخاری ۷۴۴، مسلم ۵۹۸ بروایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ)۔

(۲) الجد: یعنی تیری عظمت و تیری منزلت برتر ہے۔الجد، جیم کے فتحہ ،دال کے تشدید مع پیش، کا معنی ہے عظمت، حصہ داری، سعادت و بے نیازی۔پوری انسانیت بلکہ پوری مخلوق کی عظمت اللہ کی عظمت کی برابری نہیں کرسکتی۔

(۳) (احمد ۳/۵۰،والترمذی ۲۴۴،وابوداؤد ۷۷۶،والنسائی ۹۰۸،ابن ماجہ ۸۵۳، ألبانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے السلسلۃ:۲۹۹۶، بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا)۔

کے ساتھ، تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اسی دعاء استفتاح کو اپنایا ہے، کیونکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی تعلیم دیتے تھے۔ اور غالبا عمر رضی اللہ عنہ اسی دعاء کو پڑھتے تھے کیونکہ اسکا یاد کرنا آسان ہے اور اسمیں اللہ کی وحدانیت و تعظیم بھی ہے۔

اگر ان دونوں دعاؤں کے علاوہ نبی سے کوئی ثابت دعاء نمازی پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اگر عبادت مختلف صورت میں وارد ہو تو مختلف اوقات میں اسکی تمام صورتوں پر عمل کرنا چاہئے۔ بہتر یہی ہے کہ کبھی یہ پڑھے اور کبھی وہ اسلئے کہ اس سے مکمل اتباع ہو جاتی ہے۔

فائدہ: مختلف صورتوں میں وارد عبادتوں کی تنویع کے فوائد درج ذیل ہیں:

۱۔ نبی ﷺ کی سنت کی اتباع۔

۲۔ ہر سنت کو زندہ و تازہ کرنا۔

۳۔ حضورِ قلب وغیرہ۔

نبی ﷺ سے وارد چند دعاء استفتاح:

۱۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو کہتے "وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ، حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لاَ شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ، لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ، أَنَا عَبْدُكَ،

ظَلَمْتُ نَفْسِي، وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي جَمِيعًا، لاَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ أَنْتَ، وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الأَخْلاَقِ، لاَ يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلاَّ أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا، لاَ يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلاَّ أَنْتَ، لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ، وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ، أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ، تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ "(۱)۔

یہ دعاءاستفتاح آپ ﷺ رات کی نمازوں میں پڑھتے تھے۔

۲۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صحابی آئے،صف میں داخل ہوئےاور ان کی سانسیں تیز چل رہی تھیں۔انہوں نے کہا"الحمدُ لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه"۔

جب آپ ﷺ نے نماز ختم کی تو پوچھا کہ ان کلمات کا قائل کون تھا؟سب خاموش رہے۔آپ ﷺ نے پھر فرمایا:"اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔تب ایک شخص نے کہا: میں آیا، میری سانس ٹوٹ رہی تھی تو میں نے یہ جملے کہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:"میں نے دیکھا کہ بارہ فرشتے اسے لینے کے لئے لپک رہے تھے کہ کون اسے اخذ کرے"(۲)۔

۳۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اسی دوران ایک شخص نے کہا"الله أكبر كبيراً، والحمد لله كثيراً، وسبحان الله بكرةً وأصيلاً"تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ فلاں فلاں کلمہ کس نے کہا ہے؟ایک آدمی نے کہا اللہ کے رسول ﷺ میں نے۔تو آپ نے فرمایا: مجھے ان پر تعجب ہے کہ ان کلمات کے لئے آسمان کے دروازے واکر

---

(۱) (مسلم ۷۷۱)۔

(۲) (مسلم ۶۰۰)۔

دیئے گئے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا تب سے میں نے ان کلمات کو ترک نہیں کیا[۱]۔

ایک ہی وقت میں دو یا دو سے زائد دعاء استفتاح پڑھنے کا حکم:

ایک ہی وقت میں دو دعاء استفتاح کا اکٹھا کرنا نبی ﷺ سے وارد نہیں ہے اور نبی ﷺ کا فرمان ہیکہ: "نماز ویسے ہی پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے"[۲]۔

اس سلسلے میں قاعدہ یہ ہیکہ کئی طریقوں سے وارد عبادتیں، مختلف اوقات میں انکی مختلف صورتوں پر عمل کیا جائے گا، انہیں جمع نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ خلاف سنت ہے بلکہ ڈر یہ بھی ہیکہ یکجا کرنا دین میں بدعت شمار ہو۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا": کہ جس نے بھی اس دین میں کوئی بدعت ایجاد کی تو وہ مردود ہے"[۳]۔ لہذا، نمازی کے لئے جائز نہیں ہیکہ ایک نماز میں دو دعاء استفتاح جمع کرے، بلکہ تنوع کی گنجائش ہے۔

---

(۱) (مسلم ۶۰۱)۔

(۲) (بخاری ۶۳۱ بروایت مالک بن حویرث)۔

(۳) (بخاری ۲۶۹۷، مسلم ۱۷۱۸)۔

دعاءِ استفتاح بھولنے کا بیان:

اگر نمازی دعاء استفتاح بھول جائے یا جان کر ترک کردے، یہاں تک کہ استعاذہ شروع کردے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کے بعد نمازی کے لئے مشروع نہیں ہیکہ دعاء استفتاح پڑھے، کیونکہ دعاء استفتاح سنت ہے جسکی جگہ فوت ہوچکی۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں: "دعاء استفتاح فرض و نفل نمازوں میں سنت ہے، جس نے اسے ترک کردیا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے"(۱)۔

نماز میں اعوذ باللہ و بسم اللہ پڑھنا

دعاء استفتاح کے بعد نمازی "أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھے گا۔ جس کا معنی ہے میں اللہ کے واسطے شیطان مردود سے اس بات سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ وہ میرے دین و دنیا میں مجھے کوئی نقصان پہنچائے۔ صحابہ وتابعین میں سے جمہور علماء کے نزدیک یہ مستحب ہے، جس کے پڑھنے کی دلیل اللہ پاک کا یہ عام ارشاد ہے﴿ فَإِذَا قَرَأْتَ ٱلْقُرْءَانَ فَٱسْتَعِذْ بِٱللَّهِ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ ﴾(۲)۔

اور اگر "أعوذُ باللهِ السميعِ العليمِ مِن الشيطانِ الرجيمِ، مِن همزِهِ ونفخِهِ ونفثِهِ" پڑھے تو بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہیکہ نبی ﷺ تکبیر

---

(۱) (مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ ۱۱/۷۴)۔

(۲) [نحل:۹۸]۔

کے بعد کہتے تھے "أعوذُ بالله السميعِ العليمِ مِن الشيطانِ الرجيمِ مِن همزِہ ونفخِه ونفثِه"(۱)۔

واضح رہے کہ "أعوذ بالله" کا تعلق نماز سے نہیں بلکہ قرات سے ہے۔ کیونکہ اگر اس کا تعلق نماز سے ہوتا تو تکبیرِ تحریمہ کے بعد یا اس سے پہلے پڑھا جاتا جبکہ گزشتہ آیت میں اللہ نے شیطان مردود سے تلاوت کے وقت پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔

پھر (نمازی) "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھے اور اسکا پڑھنا بھی بالاتفاق سنت ہے۔ نعیم المجمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، انہوں نے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھی پھر سورہ فاتحہ۔ یہاں تک کہ "ولاالضالین" تک پہونچے"(۲)۔

"أعوذ باللہ و بسم اللہ" بلند آواز سے نہیں پڑھیں گے۔ کیونکہ انس رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے وہ کہتے ہیں کہ "میں نے نبی ﷺ، ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے، یہ لوگ "الحمد للہ رب العالمین" سے نماز شروع کرتے

---

(۱) (احمد ۳/۵۔ الترمذی ۲۴۳، ابوداؤد ۷۷۵)۔

(۲) (احمد ۲/۴۹۷، نسائی ۹۱۳، ابن خزیمہ ۱/۳۴۲، ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں وارد روایتوں میں سب سے صحیح روایت ہے)۔

تھے، وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ قرات کے شروع میں پڑھتے تھے اور نہ ہی آخر میں [1]۔اس سے مراد یہ ہیکہ وہ زور سے نہیں پڑھتے تھے۔

نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ جہری بسم اللہ پڑھنے کا بیان۔

نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ باآوازِ بلند بسم اللہ پڑھنا ان اجتہادی مسائل میں سے ہے جن میں اختلاف کی گنجائش ہے، یہ کوئی قطعی مسئلہ نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے۔ صحابہ ہی کے دور سے اس میں اختلاف رہا ہے جبکہ ان میں فقہاء وقراء موجود تھے اور بعد کے فقہاء جیسے ائمہ اربعہ وغیرہ اس مسئلہ میں صحابہ کے تابع ہیں۔ جو بسم اللہ پڑھنے کے وجوب کے قائل ہیں انکی اپنی دلیلیں ہیں اور جو عدم وجوب کے قائل ہیں ان کے پاس بھی دلیلیں ہیں۔ لیکن پست آواز میں پڑھنا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ ابن منذر نے صحابہ وتابعین کی ایک جماعت کی طرف یہ بات منسوب کی ہے، اصحابِ رائے اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام احمد سے روایتیں منقول ہیں کہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے [2]۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ جہری بسم اللہ کے بارے میں کوئی صریح حدیث وارد نہیں ہے [3]۔

---

(۱) (بخاری ۷۴۳، مسلم ۳۹۹)۔

(۲) (المغنی ۱/۵۵۵)۔

(۳) (الفتاوی الکبری ۲/۱۶۶)۔

اسی قول کو علامہ ابن باز رحمہ اللہ نے بھی راجح قرار دیا ہے، وہ اس قول کی ترجیح کے بعد کہتے ہیں: اس مسئلہ کو لیکر اختلاف کرنا مناسب نہیں ہے، کیوں کہ اس میں وسعت وگنجائش ہے، بلکہ اگر امام مقتدیوں کو یہ بتانے کے لئے کہ بسم اللہ بھی پڑھی جاتی ہے بلند آواز سے کبھی کبھی پڑھ لے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ البتہ صحیح احادیث پر عمل کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ پست آواز میں بسم اللہ پڑھنا چاہئے [1]۔

اسی لئے بعض علماء نے اس مسئلہ کو راجح قرار دیا ہے کہ بسا اوقات بسم اللہ کو زور سے پڑھنا افضل ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس مسئلے میں وسعت ہے۔

❁❁❁

(۱) (مجموع فتاوی ابن باز ۱۱/۱۲۰)۔

سورہ فاتحہ پڑھنا

بسم اللہ کے بعد نمازی مرتب انداز میں سورہ فاتحہ لحن سے بچتے ہوئے پڑھے، خواہ لحنِ خفی ہو یا جلی۔ لحنِ جلی سے نماز ہی باطل ہو جاتی ہے[1]۔

عبادۃ بن ثابت سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اسکی نماز نہیں ہوتی"[2]۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پوچھا"... شاید تم اپنے امام کے پیچھے کچھ پڑھتے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ مت پڑھو، کیونکہ جو اسے نہیں پڑھتا اسکی نماز نہیں ہوتی"[3]۔

---

(۱) (لحنِ جلی کی دو قسمیں ہیں: ایک لحن خفی جو معنی تبدیل نہیں کرتا اس سے بالاتفاق نماز باطل نہیں ہو گی۔ دوسرا لحن جلی جو معنی تبدیل کر دیتا ہے۔ اس میں اہل علم کے یہاں تفصیل ہے صحیح مسئلہ یہ ہیکہ لحنِ جلی جو معنی بدل دیتا ہے اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں: اول: جو بھول چوک اور غلطی سے سرزد ہوا ہو۔ یہ عموماً عاجزی کیوجہ سے جیسے اکثر اعاجم بعض حروف کو بدل دیتے ہیں تو یہ ان شاءاللہ معفو عنہ ہو گا۔ دوم: جو جان بوجھ کر، صحیح قرات پر قدرت کے باوجود واقع ہوا ہو۔ یا صحیح قرات سیکھنے میں کوتاہی کیوجہ سے بطورِ جہالت ہی سرزد ہو تو ایسی صورت میں اسکی نماز کافی نہیں ہو گی بلکہ دہرانا ضروری ہے۔ رسالۃ فی تجوید الفاتحۃ/د۔ محمد العمر ص:۳۹))۔

(۲) (بخاری ۷۵۶، مسلم ۳۹۴)۔

(۳) (احمد ۵/۳۱۶، ابوداؤد ۸۲۳، ترمذی ۳۱۲، امام البانی رحمہ اللہ نے مشکاۃ میں اسے حسن کہا ہے ۸۵۴)۔

یہ قرآن کی سب سے افضل سورت ہے۔اس کا نام "فاتحہ "اسلئے رکھا گیا کیونکہ اسی سے نماز شروع کی جاتی ہے اور مصحف کی ابتداء بھی اسی سے ہوتی ہے۔اس سورت کی فضیلتوں میں سے ہے کہ اس سے رقیہ کیا جاتا ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ کے کچھ اصحاب ایک ایسے عربی قبیلہ میں آئے جنھوں نے ان کی ضیافت نہیں کی تھی۔اسی اثنا انکے (قبیلے کے)سردار کو کسی موذی جاندار نے ڈس لیا۔اب ان لوگوں نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی دواء یا کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم نے ہماری ضیافت نہیں کی ہے اس لئے بغیر اجرت کے ہم کچھ نہیں کرینگے۔تب انہوں نے کچھ بکریاں دیں۔پھر یہ سورہ فاتحہ پڑھنے لگے، تھوک جمع کرتے اور تھکتھکاتے، جس سے مریض اچھا ہوگیا۔جب وہ بکری لائے تو صحابہ نے کہا: ہم نبی ﷺ سے پوچھے بغیر انہیں نہیں لینگے۔چنانچہ انہوں نے سوال کیا تو آپ مسکرادیئے اور کہنے لگے:"تمہیں پتہ کیسے چلا کہ یہ رقیہ ہے ،اسے لے لو اور میرا بھی حصہ لگاؤ"(1)۔

بلند آواز سے آمین کہنے کا بیان:

سورہ فاتحہ کے بعد جہری نمازوں میں بلند آواز سے اور سرّی نمازوں میں پست آواز میں آمین کہنا سنت ہے۔کیونکہ حضرت ابوہریرہ سے مرفوعا روایت ہیکہ "جب امام آمین کہے تو

---

(۱) (بخاری۵۷۳۶، مسلم۲۲۰۱)۔

تم بھی آمین کہو، اسلئے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوئی تو اللہ اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیگا"(۱)۔

اور نعیم مجمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔اسی میں ہے، پھر انہوں نے سورہ فاتحہ پڑھی، یہاں تک کہ "غير المغضوب عليهم ولا الضّالين" پر پہونچے، تو آمین کہا۔اسی کے اخیر میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، رسول اللہ ﷺ کی نماز سے، میں تم میں سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں"(۲)۔

انہیں (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ "لوگوں نے آمین چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ جب "غير المغضوب عليهم ولا الضّالين" کہتے، تو آمین کہتے تھے۔ یہاں تک کہ اگلی صف والے اسے سنتے اور مسجد (آمین کی آواز سے) گونج اٹھتی تھی(۳)۔

"آمین" کا معنی ہے: الٰہی! تو قبول فرما۔آمین کے "میم" کو مشدد پڑھنا حرام ہے۔ کیونکہ اس کا معنی بدل جاتا ہے اور "قاصدین" (قصد کرنے والے) کے معنی میں آجاتا ہے۔ جبکہ معلوم ہیکہ آمین سورہ فاتحہ کا حصہ نہیں ہے۔

---

(۱) (بخاری ۷۸۰، مسلم ۴۱۰)۔

(۲) (نسائی ۹۰۵، ابن خزیمہ فی صحیحہ ۲۵۱/۱، دار قطنی فی السنن ۳۰۵/۱)۔

(۳) (ابن ماجہ ۹۰۲، السلسلۃ الضعیفۃ: ۹۵۲ میں علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے)۔

سورہ فاتحہ کے بعد قرآن کا جو حصہ یاد ہو اسے پڑھنا مسنون ہے۔ بہتر یہ ہیکہ ظہر، عصر اور عشاء کی نمازوں میں اوساطِ مفصل پڑھی جائے (۱)۔

مفصل کی تین قسمیں ہیں:

۱۔طوالِ مفصل : "ق" تا "عم"۔

۲۔اوساطِ مفصل: "عم" تا "الضحی"۔

۳۔قصارِ مفصل "الضحی" تا اخیرِ مصحف۔

فجر میں طوالِ مفصل اور مغرب میں کبھی قصارِ مفصل اور کبھی طوالِ مفصل۔ اسمیں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ سنت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ مغرب میں سورہ "الاعراف" اور "الطور" پڑھتے تھے۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہتے ہیں کہ: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب میں سورہ "طور" پڑھتے ہوئے سنا ہے (۲)۔ اور جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے سورہ "المرسلات" بھی پڑھی ہے (۳)۔

---

(۱) (مفصل سورۃ "ق" سے شروع ہوتا ہے آخری مصحف تک۔ اوس بن حزیفہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کے ساتھیوں سے پوچھا کہ قرآن کی حزب کیسے بناتے تھے؟ توانھوں نے کہا: تین، پانچ، سات، نو، گیارہ اور تیرہ سورتوں کا حزب بناتے اور حزب مفصل کو مستقل رکھتے تھے۔ امام احمد نے اضافہ کیا ہے "اور حزب مفصل "ق" سے آخری مصحف تک" احمد ۴/۳۴۳، ابوداؤد ۱۳۹۳، ابن ماجہ ۱۳۴۵)۔

(۲) (بخاری ۷۶۵، مسلم ۴۶۳)۔

(۳) (بخاری ۷۶۳، مسلم ۴۶۲)۔

آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ قصار مفصل پر اکتفاء نہیں کرتے تھے، بلکہ قصار مفصل پر مداومت خلاف سنت ہے۔ یہ کام سب سے پہلے جس نے کیا وہ مروان بن حکم ہیں۔ جس پر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نکیر کی تھی جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے[1]۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: نبی ﷺ سے مروی ہیکہ آپ ﷺ نے مغرب میں "الصافات" "حم" "سبح اسم ربک الاعلی" "والتین و الزیتون" "المعوذتین" "والمرسلات" اور قصارِ مفصل پڑھتے تھے۔اور اس بارے میں صحیح و مشہور آثار موجود ہیں[2]۔

فائدہ: نمازِ عصر میں سنت:

نماز عصر کا ظہر سے مختصر کرنا مشروع ہے، قریب ظہر کے آدھا۔ کیونکہ صحیح مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ "ہم ظہر و عصر میں نبی ﷺ کے قیام کا اندازہ لگاتے تھے، تو ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں "الم تنزیل "السجدۃ کی قرات کے بقدر آپ ﷺ کے قیام کا ہمیں اندازہ ہوا اور آخری دو رکعتوں میں اسکے نصف کے بقدر۔ جبکہ عصر

---

(۱) (بخاری ۷۶۲)۔

(۲) (التمهيد ۹/۱۴۶)۔

کی پہلی دو رکعتوں میں، ظہر کی آخری دو رکعتوں کے قیام کے بقدر اندازہ ہوا اور آخری دو رکعتیں اسکے نصف کے برابر[۱]۔

جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ": نبی ﷺ ظہر میں "واللیل إذا یغشی "پڑھتے تھے اور عصر میں اسی کے مثل "[۲]۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو عشاء کی نماز پڑھاتے ہوئے "البقرۃ" کی تلاوت کی تو آپ ﷺ انکے اس فعل سے ناراض ہوئے اور فرمایا": کاش تونے "سبح اسم ربک الأعلی" "والشمس وضحاها" اور "واللیل إذا یغشی "پڑھی ہوتی "[۳]۔

جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "آپ ﷺ ظہر اور عصر میں "والسماء والطارق" "والسماء ذات البروج "جیسی سورتیں پڑھتے تھے "[٤]۔

بسااوقات کوئی دوسری سورت پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "ظہر کی نماز شروع کی جاتی اور بقیع جانے والا جاکر اپنی حاجت

---

(۱) (مسلم ۴۵۲)۔

(۲) (مسلم ۴۵۹)۔

(۳) (بخاری ۷۰۵، مسلم ۴۶۵)۔

(٤) (احمد ۵/۱۰۳، نسائی ۹۸۷، ابوداؤد ۸۰۵، علامہ البانی رحمہ اللہ نے السلسلہ ۱۱۶۰ میں اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

پوری کرتا، پھر وضوء کر کے آتا اور اسکی طوالت کیوجہ سے رسول اللہ ﷺ پہلی ہی رکعت میں ہوتے تھے"[(۱)]۔

فائدۃ: نمازِ فجر میں سنت:

نمازِ صبح لمبی کرنی مسنون ہے۔ کیونکہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ "آپ ﷺ فجر میں ساٹھ سے سو آیتوں کے بیچ پڑھتے تھے"[(۲)]۔ سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "وہ نماز صبح میں طوال مفصل پڑھتے تھے"[(۳)]۔

کبھی کبھار قصارِ مفصل بھی پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اسے عادت نہیں بنانی چاہیے۔ ایک جھینی صحابی سے مروی ہے کہ انہوں نے فجر کی دونوں رکعتوں میں آپ ﷺ کو "اذا زلزلت" پڑھتے سنا" مجھے پتہ نہیں ہے کہ آیا آپ ﷺ بھول گئے تھے یا جان بوجھ کر پڑھے تھے"[(٤)]۔

---

(۱) (مسلم ۴۵۴)۔

(۲) (بخاری ۷۵۴، مسلم ۴۶۱)۔

(۳) (احمد ۲/۳۰۰، ترمذی ۳۰۷، ابو داؤد ۸۰۶، نسائی ۹۹۰، اور البانی رحمہ اللہ نے مشکاۃ المصابیح ۸۵۳ میں اسے حسن قرار دیا ہے)۔ اور آپ ﷺ جمعہ کے دن فجر میں "السجدہ" اور "الانسان" پڑھتے تھے"۔ (بخاری ۸۹۱، مسلم ۸۷۹)۔

(٤) (ابو داؤد ۸۱۶، البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابو داؤد ۷۳۰ میں اسے حسن کہا ہے)۔

فائدۃ: امامت میں اصل تخفیف:

امامت کرتے وقت اصلا تخفیف کرنی چاہئے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا": جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو تخفیف کرے۔ کیونکہ ان میں کمزور، بیمار اور بزرگ ہوتے ہیں ہاں جب تنہا پڑھے تو جتنی چاہے لمبی کرے"(۱)۔

واضح رہے کہ یہ قولی تخفیف مجمل ہے، جسے فعلی سنت نے بیان کیا ہے۔ اسکی حقیقت وہی ہے جو آپ ﷺ پڑھتے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: "رسول اللہ ﷺ ہمیں تخفیف کا حکم دیتے اور "الصافات" سے ہماری امامت کراتے تھے"(۲)۔

یہ بھی صحیح نہیں ہیکہ ائمہ مقتدیوں کی خواہشات کے پیچھے چلیں البتہ اگر کوئی مقتدی کسی حرج میں پڑ جائے تو اسکی رعایت میں قباحت بھی نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا": میں نماز میں داخل ہوتا ہوں، اسے لمبی کرنا چاہتا ہوں، پھر جب بچوں کے رونے کی آواز سنتا ہوں، تو نماز مختصر کر دیتا ہوں۔ کیونکہ بچے کے رونے سے اسکی ماں کی شدید محبت سے آگاہ ہوں"(۳)۔

---

(۱) (بخاری ۷۰۳، مسلم ۴۶۷ بروایت ابوہریرۃ)۔

(۲) (احمد ۲/۲۶، نسائی ۸۳۴)۔

(۳) (بخاری ۷۰۹، مسلم ۴۷۰ بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ)۔

فائدہ: نماز میں منفرد کی سنت:

منفرد (اکیلے نماز پڑھنے والا) اگر جہری نماز پست آواز میں پڑھتا ہے تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہ کسی کو سنانے کا مکلف نہیں ہے۔البتہ افضل یہی ہیکہ سنت کی اتباع کرتے ہوئے جہری نماز بلند آواز سے پڑھے گرچہ اکیلے ہو۔امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں "امام کی طرح منفرد کیلئے بھی یہ مسنون ہے"[۱]۔

علامہ ابن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں: جہری نمازوں میں جہری قرأت امام اور منفرد سب کے لئے مسنون ہے۔اس کے باوجود بھی اگر منفرد پست آواز میں زیادہ خشوع محسوس کرتا ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ وہ رات کی نمازوں میں کبھی سری اور کبھی جہری قرأت کرتے تھے۔البتہ امام جہری نمازوں میں (خواہ فرض ہو یا نفل) جہری قرأت ہی کرے گا، کیوں کہ اس سے مقتدیوں کو اللہ کا کلام سننے کا بھی موقع ملتا ہے[۲]۔

❁❁❁

(۱) (شرح مسلم ۲۲/۲)۔

(۲) (مجموع فتاوی ابن باز ۱۱۶/۱۱)۔

رکوع

(۷)۔ پھر نمازی رکوع کرے۔اور اس کی فرضیت سنت واجماع سے ثابت ہے۔ سنت سے دلیل مسیئ صلاۃ والی حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا": پھر تم رکوع کرو، یہاں تک کہ بحالتِ رکوع مطمئن ہو جاؤ"[۱]۔اور اس بات پر اجماع ثابت ہے جیسا کہ امام ابن حزم نے نقل کیا ہے[۲]۔ نیز "اللہ اکبر" کہتے ہوئے اس طرح رکوع کرے کہ انتقال کی حرکت اسی سے پوری ہو۔

(رکوع کے وقت) ہاتھ کا مونڈھوں تک اٹھانا مستحب ہے، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کے لئے "اللہ اکبر" کہتے تو اپنے ہاتھ مونڈھوں کے برابر اٹھاتے تھے"[۳]۔

یا کانوں کی لو تک اٹھانا ثابت ہے۔مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے، یہاں تک کہ انہیں اپنے کانوں کے برابر لے جاتے"[٤]۔

پس نمازی کو اختیار ہے چاہے تو ہاتھ مونڈھوں تک اٹھائے یا کانوں کی لو تک۔

---

(۱) (بخاری ۷۵۷، مسلم ۳۹۷ بروایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ)۔

(۲) (مراتب الاجماع ص:۵۹)۔

(۳) (بخاری ۷۳۶،۷۳۵، مسلم ۳۹۰)۔

(٤) (مسلم ۳۹۱)۔

رکوع کی کیفیت:

رکوع میں اسکی کیفیت یہ ہیکہ اپنا سر پیٹھ کی برابری میں کر لے، نہ اسے اٹھائے، نہ ہی جھکائے۔ کیونکہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "جب آپ ﷺ رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر اچھی طرح رکھتے تھے پھر اپنی پیٹھ موڑ لیتے اور اسے ذرا نیچی رکھتے تھے"[۱]۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنا سر نہ بہت ابھارتے اور نہ ہی زیادہ جھکاتے بلکہ درمیان میں رکھتے تھے"[۲]۔ وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں "میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ جب آپ ﷺ رکوع کرتے تو اپنی پیٹھ ایسے سیدھی کر لیتے کہ اگر اس پر پانی ڈالا جاتا تو پانی ٹھہر جاتا"[۳]۔

چنانچہ یہ مذکورہ دلیلیں رکوع کی صفت بیان کرتی ہیں اور وہ ہے برابری۔ یعنی نمازی کی پیٹھ مانند قوس نہ ہو۔ اس طور پر نہ جھکی ہو کہ پیٹھ کا درمیانی حصہ نیچے کو مائل ہو، اور نہ ہی اسکا اگلہ حصہ جھکا ہوا ہو۔ بلکہ پیٹھ برابر ہونی چاہیئے، ایسے کہ اس پر پانی ڈالا جائے تو پانی ٹھہر جائے اور یہی ہے مکمل برابری۔

---

(۱) (بخاری ۸۲۸)۔

(۲) (مسلم ۴۹۸)۔

(۳) (ابن ماجہ، ۹۲۱)۔

رکوع کی حالت میں نمازی کے لئے مستحب ہیکہ اپنا دونوں ہاتھ ٹائٹ رکھے۔کیونکہ نماز نبوی ﷺ کی صفت کے بارے میں ابو حمید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ "آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ تان کر اور پہلو سے دور رکھتے تھے"(۱)۔"وتّر یدَیه"کا مطلب ہیکہ اپنے ہاتھوں کو کھڑااور ٹائٹ رکھتے تھے۔اسی طرح ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے،کیونکہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ رکوع میں جاتے تو ہاتھوں کو گھٹنوں پر اچھی طرح رکھ لیتے"(۲)۔ایک دوسرے لفظ میں ہے کہ "آپ ﷺ نے اپنادونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر ایسے رکھتے گویا انہیں پکڑے ہوئے ہوں"(۳)۔

گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی حدیثیں تواتر کی حد تک پہونچی ہوئی ہیں۔ابتداء اسلام میں تطبیق(ایک ہتھیلی کو دوسری سے ملا کر انہیں رانوں اور گھٹنوں کے درمیان رکھنا) تھی لیکن اسے منسوخ کر دیا گیا۔جیسا کہ مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہتے ہیں کہ :"میں نے اپنے والد کے بغل میں نماز پڑھی اور اپنے ہتھیلیوں کے بیچ تطبیق کر کے انہیں ران کے درمیان کر لیا۔تو میرے والد نے مجھے روکا اور کہا کہ ہم پہلے ایسا کرتے تھے پھر ہمیں اس سے روک دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھیں"(٤)۔

---

(۱) (ابوداؤد ۷۳۴،ترمذی ۲۶۱،دارمی ۱/۳۴۱،اور اسکی اصل بخاری میں ہے ۸۲۸)۔"

(۲) (بخاری ۸۲۸)۔

(۳) (ابوداؤد ۷۳۴،ترمذی ۲۶۱)۔

(٤) (بخاری ۷۹۰،مسلم ۵۳۵)۔

مستحب یہ ہیکہ انگلیاں (گھٹنوں پر) پھیلی ہوئی ہوں۔وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ": نبی ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھتے تھے اور جب سجدہ کرتے تو پانچوں انگلیاں ملا لیتے "[۱]۔

ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا:"کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ دکھاؤں ؟(راوی کہتے ہیں) پھر وہ کھڑے ہوئے، تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں گئے،ہاتھوں کا فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے انہیں گھٹنوں پر رکھے اور انگلیوں کے بیچ کشادگی رکھی یہاں تک کہ ہر چیز اپنی جگہ پر جاٹھہری "[۲]۔

اطمینان سے رکوع کرنا ضروری ہے ،کیونکہ مسیٔ صلوۃ سے آپ ﷺ نے فرمایا": پھر رکوع کرو، حتی کہ حالت رکوع میں مطمئن ہو جاؤ"[۳]۔اطمینان سے ادائیگی کا مطلب یہ ہیکہ جوڑ اپنی جگہ پر آجائیں اور ڈھیلے پڑ جائیں، گرچہ واجبی حد تک تھوڑی ہی دیر کے لئے ہو۔

---

(۱) (ابن حبان فی صحیحہ ۲۴۷/۵،دار قطنی فی سننہ ۳۳۹/۱،طبرانی فی المعجم الکبیر ۱۹/۲۲، بیھقی فی السنن الکبری ۱۱۲/۲،الھیثمی فی المجمع ۱۳۵/۲،اور اسے حسن قرار دیا ہے)۔

(۲) (احمد ۱۲۰/۴،دارمی ۳۴۰/۱)۔

(۳) (بخاری ۷۵۷، مسلم ۳۹۷)۔

رکوع کے اذکار:

رکوع کی حالت میں (خواہ نفل ہو یا فرض) "سبحان ربی العظیم" کہے (پاک ہے میرا رب، جو بڑی عظمت والا ہے)۔اسلئے کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ رکوع میں "سبحان ربی العظیم" کہتے تھے"[۱]۔اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب "فسبّح باسمِ ربّک العظیم" نازل ہوئی۔تو آپ ﷺ نے فرمایا": اسے رکوع میں پڑھا کرو"[۲]۔

رکوع و سجدے میں ایک مرتبہ "تسبیح" کا حکم تاکیدی ہے، ایک سے زیادہ ہو تو بہتر ہے۔تسبیح ایک مرتبہ پڑھنے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کے اس قول کے علاوہ کچھ نہیں ہے "اسے اپنے رکوع میں کرلو" اور امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا ہے۔ مصلی کے لئے افضل ہیکہ اسے تین مرتبہ دہرائے، یہ کمال کا ادنی درجہ ہے۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا": جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو تین مرتبہ "سبحانَ ربّیَ العظیم" کہے اور یہ سب سے کم تر (عدد) ہے"[۳]۔

---

(۱) (مسلم ۷۷۲)۔

(۲) (احمد ۱۵۵/۴،ابو داؤد ۸۶۹،ابن ماجہ ۸۹۳،امام البانی رحمہ اللہ نے الارواء ۳۳۴میں اسے ضعیف قرار دیا ہے)۔

(۳) (ابو داؤد ۸۸۶،ترمذی ۲۶۲،ابن ماجہ ۸۹۰،دار قطنی ۳۴۳/۱،ابو داؤد رحمہ اللہ نے اسے مرسل کہا ہے۔ترمذی رحمہ اللہ نے کہا:ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند متصل نہیں ہے۔کیونکہ عون بن عبد

اس دعاء کو تین (یا تین) سے زیادہ مرتبہ دہرانا افضل ہے۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے فرمایا": میں نے اس غلام (یعنی عمر بن عبد العزیز) سے بڑھ کر رسول ﷺ کی نماز سے مشابہ کسی کی نماز نہیں دیکھی۔(راوی کہتے ہیں) کہ ہم نے رکوع میں بیس اور سجدے میں بیس تسبیح کا اندازہ کیا"(۱)۔

اس مسئلہ میں صحیح یہ ہیکہ تسبیح کی کوئی معین عدد نہیں ہے، کسی خاص عدد سے کمال کے تعین پر کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔بلکہ نماز کی طوالت کے اعتبار سے بکثرت تسبیح پڑھنا مناسب ہے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہتے ہیں کہ ": میں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کو بغور دیکھا تو پایا کہ آپ ﷺ کا قیام ،آپ کا رکوع، رکوع کے بعد کھڑا ہونا، سجدہ اور سجدے کے درمیان کا جلسہ ،پھر سجدہ اور سلام کے درمیان کا جلسہ اور واپسی تقریبا سب برابر ہوتے تھے"(۲)۔

رکوع وسجدہ کی حالت میں "سبحانَ ربّی العظیم "کے ساتھ یہ دعاء بھی پڑھنا مستحب ہے"سبحانَک اللّھم ربّنا و بحمدِک،اللّھم اغفرلی "(اے اللہ !تو پاک ہے

اللہ بن عتبہ کی ملاقات ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے۔حدیث ضعیف ہے لیکن اسی پر اہل علم کا عمل ہے، مستحب ہے کہ نمازی رکوع وسجدے میں تین تسبیح سے کم نہ پڑھے)۔

(۱) (احمد ۳/۱۶۲،ابوداؤد ۸۸۸،نسائی ۱۱۴۳، بیہقی ۲/۱۱۰حدیث میں وہب بن مانوس ضعیف راوی ہیں ،امام البانی رحمہ اللہ نے الارواء۳۴۸میں اسے ضعیف کہاہے)۔

(۲) (بخاری ۸۲۰، مسلم ۴۷۱)۔

اپنی حمد کے ساتھ، پروردگار مجھے بخش دے)۔ کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں کہ نبی ﷺ اپنے رکوع و سجدے میں کہا کرتے تھے "سبحانَک اللّٰھم ربّنا و بحمدک، اللّٰھم اغفرلی"[1]۔

رکوع میں اللہ کی بکثرت تعظیم بجالانی چاہئے، چنانچہ اس میں وہ دعائیں اختیار کی جائیں جن میں اللہ کی تعظیم ہو۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا": رہا رکوع تو اسمیں رب کی بڑائی بیان کرو"[2]۔

نبی ﷺ سے ثابت رکوع کے مزید کچھ اذکار یہ ہیں:

۱۔"سبّوحٌ قدّوسٌ، ربّ الملائکۃِ والروح"عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنے رکوع و سجود میں پڑھا کرتے تھے "سبوح قدوس ،رب الملائکۃ والروح"[3]۔

۲۔"اللّٰھم لکَ رکعتُ، وبکَ آمنتُ، ولکَ أسلمتُ، خشعَ لک سمعی، وبصری، ومخّی، وعظمی، وعصبی"۔ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت

---

(۱) (بخاری ۷۹۴، مسلم ۴۸۴)۔

(۲) (مسلم ۴۷۹)۔

(۳) (مسلم ۴۸۷)۔

میں ہے"اللّٰهم لک رکعتُ، وبک آمنتُ، ولک أسلمتُ، خشعَ لک سمعی، وبصری، ومخی، وعظمی، وعصبی"[۱]۔

۳۔"سبحانَ ذی الجبروتِ، والملکوتِ، والکبریاءِ، والعظمةِ"۔

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں": میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قیام کیا... پھر بقدر قیام آپ ﷺ رکوع کئے اور رکوع میں فرماتے"سبحان ذی الجبروتِ، والملکوتِ، والکبریاء، والعظمة"[۲]۔ان کے علاوہ وہ تسبیحات و اذکار جن میں اللہ کی پاکی، بڑائی اور حمد و ثناء ہو پڑھی جاسکتی ہے۔

فائدہ:

رکوع میں نمازی دو تعظیم یکجا بجالاتا ہے، تعظیم قولی اور تعظیم فعلی۔

تعظیم قولی: زبان سے اللہ کی پاکیزگی و عظمت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے"سبحان ربی العظیم"اسکے علاوہ وہ دعائیں جن میں اللہ کی تعظیم ہوتی ہے، پڑھتا ہے۔

تعظیم فعلی: بذاتِ خود رکوع کرنے سے حاصل ہوتی ہے، تو گویا نمازی نے عملی و قولی دونوں تعظیم اکٹھا کردی۔

❁❁❁

---

(۱) (مسلم ۷۷۱)۔

(۲) (احمد ۲۴/۶،ابوداؤد ۸۷۳،نسائی ۱۰۵۷، بیہقی ۳۱۰/۲،حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں اسکی اصل ہے،البانی رحمہ اللہ نے مشکاۃ المصابیح ۸۸۲ میں اسے صحیح کہا ہے)۔

رکوع سے اٹھنا

(۸) پھر نمازی اپنے ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتا ہوا رکوع سے سر اٹھائے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیکہ آپ ﷺ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی اسی طرح کرتے تھے "[۱]۔

یا کانوں کی لو تک اٹھائے۔ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنا ہاتھ کانوں کی لو تک اٹھاتے اور جب رکوع کرتے تو بھی ہاتھ کانوں کی لو تک لے جاتے پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے تو " سمع اللہ لمن حمدہ " کہتے اور (بقیہ رکعت میں) اسی طرح کرتے۔ (یعنی کان کی لو تک رفع الیدین کرتے)[۲]۔ رکوع اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین آپ ﷺ کا معمول تھا، کبھی مونڈھوں تک اٹھاتے اور کبھی کانوں کی لو تک لے جاتے اور یہ عبادت میں تنوع (شکل کی تبدیلی) ہے۔

رکوع سے اٹھتے وقت کی دعاء:

نمازی اگر امام یا منفرد ہے تو رکوع سے سر اٹھاتے وقت " سمع اللہ لمن حمدہ " کہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ "... پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے جس وقت

---

(۱) (بخاری ۷۳۶، ۷۳۵، مسلم ۳۹۰)۔

(۲) (مسلم ۳۹۱)۔

اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاتے "[1]۔اور آپ ﷺ فرماتے": تم ویسے ہی نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو"[2]۔ بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا": بریدہ! جب تم رکوع سے اپنا سر اٹھاؤ تو "سمعَ الله لمن حمدة، اللّهم ربّنا لکَ الحمد" کہو[3]۔اور یہ دعاء رکوع سے اٹھتے وقت پڑھی جائے گی ،نہ رکوع سے پہلے اور نہ بعد میں بلکہ اسکی جگہ برابر کھڑا ہونے کیلئے اٹھنے کے درمیان ہے۔

اور قومہ میں یہ دعاء پڑھے:"ربّنا ولک الحمدُ، حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه ملءَالسماواتِ، وملءَالارض، وملءَ مابینهما، وملءَ ماشئتَ مِن شئی بعد" رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "ایک روز ہم نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے،جب آپ ﷺ نے رکوع سے اپنا سر اٹھایا تو فرمایا": سمع اللہ لمن حمدہ "پیچھے سے ایک شخص نے کہا" ربنا ولک الحمد،حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه" پھر جب آپ ﷺ واپس ہوئے تو پوچھا": بولنے والا کون تھا؟انہوں نے کہا"میں نے"۔آپ ﷺ نے فرمایا": میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات میں سبقت کررہے تھے کہ انہیں کون تحریر کریگا"[4]۔

---

(۱) (بخاری ۷۸۹، مسلم ۳۹۲)۔

(۲) (بخاری ۶۳۱)۔

(۳) (دار قطنی ۳۳۹/۱)۔

(٤) (بخاری ۷۹۹، مسلم ٦۰۰)۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ": جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھاتے تو کہتے "ربّنا لک الحمدُ، ملءَالسماوات والأرض، وملء ماشئت من شئی بعد، أهل الثناء والمجد، أحق ماقال العبد، وكلنا لک عبد، اللّهم لامانعَ لما أعطيتَ، ولامعطی لما منعتَ، ولاينفع ذا الجدِ منک الجد"[1]۔

نمازی اگر مقتدی ہے تو رکوع سے سر اٹھاتے وقت "ربنا ولک الحمد..."آخر تک کہے۔ جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "اور جب (امام) "سمع الله لمن حمده" کہے تو تم "ربنا ولک الحمد" کہو"[2]۔

صحیح مسلم میں ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا": جب وہ (امام) تکبیر کہے، رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہو اور رکوع کرو۔ کیونکہ امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے (رکوع سے) سر اٹھاتا ہے۔ تو یہ اسی کے عوض ہے۔ اور وہ جب "سمع الله لمن حمده" کہے تو تم کہو "اللهم ربنا لک الحمد" اللہ تمہاری سنے گا اسلئے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی فرمایا": جو اسکی حمد بیان کرتا ہے اللہ اسکی سنتا ہے"[3]۔ ربنا ولک الحمد" اس وقت کہے گا جب برابر کھڑا

(۱) (مسلم ۴۷۷)۔

(۲) (بخاری ۶۸۹، مسلم ۴۱۱)

(۳) (مسلم ۳۹۲ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ حطان بن عبداللہ رقاشی کے قصہ میں)۔"

ہو جائے۔اسلئے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ "ربنا ولک الحمد" اس وقت کہتے جب کھڑے ہو جاتے تھے(۱)۔

رکوع سے اٹھنے کے بعد کی دعاء:

رکوع سے اٹھتے وقت چار صیغوں میں نبی ﷺ سے دعائیں وارد ہیں:

(الف) "ربّنا لک الحمد" بغیر ,واو، اور بغیر ,اللھم،کے۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے "اور جب (امام) "سمعَ اللهُ لمن حمده" کہے تو تم "ربّنا لک الحمد" کہو(۲)۔

(ب) "ربّنا ولک الحمد" "واو" کے اثبات اور "اللّھم" کے حذف کے ساتھ۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "اور جب (امام) "سمع الله لمن حمده" کہے، تو تم "ربّنا ولکَ الحمد" کہو"(۳)۔

(ج) "اللّھم ربّنا لک الحمد" "واو" کے حذف اور "اللّھم" کے اضافہ کے ساتھ۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب امام "سمع الله لمن حمده" کہے تو

---

(۱) (بخاری ۷۸۹، مسلم ۴۱۱)۔

(۲) (بخاری ۷۲۲)۔

(۳) (بخاری ۶۸۹، مسلم ۴۱۱)۔

تم "اللّٰھم ربّنا لک الحمد" کہو، کیونکہ جسکی بات (آمین) ملائکہ کی بات (آمین) کے موافق ہوگئی تو اسکے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے"[١]۔

(د) "اللّٰھم ربّنا ولک الحمد" "واو" کے اثبات اور "اللّٰھم" کے اضافہ کے ساتھ۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "رسول اللہ ﷺ جب "سمع اللّٰہُ لمن حمدہ" کہتے تو فرماتے": اللھم ربنا ولک الحمد"[٢]۔ پس اس میں کبھی یہ دعاء اور کبھی وہ دعاء پڑھنا سنت ہے اور یہ عبادت میں تنوّع ہے۔

رکوع کے بعد ہاتھ کہاں رکھیں:

مستحب ہے کہ نمازی (خواہ نمازی امام ہو یا مقتدی) رکوع سے اٹھنے کے بعد (قومہ) میں اسی طرح اپنے ہاتھ سینہ پر رکھ لے جس طرح رکوع سے پہلے (حالتِ قیام میں) رکھا تھا۔ کیونکہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس عمل کے نبی ﷺ سے ثابت ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ (وائل بن حجر رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ": نبی ﷺ کے ساتھ میں نے نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینہ کے اوپر رکھا"[٣]۔ وائل بن

---

(١) (بخاری ٧٩٦، مسلم ٤٠٩)۔

(٢) (بخاری ٧٩٥)۔

(٣) (ابن خزیمہ فی صحیحہ ١/٢٤٣، اس سند میں مؤمل بن اسماعیل ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے "التقریب" ص ٩٨٧ میں "صدوق سئ الحفظ" کہا ہے۔ اور امام البانی رحمہ اللہ نے الضعیفۃ ص ٤٤٩ میں اسے ضعیف قرار دیا ہے)۔

حجر رضی اللہ عنہ کی بعض روایتوں میں ہے کہ "نبی ﷺ جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑتے تھے"[1]۔

یہ حکم ہر "قیام" کو شامل ہے، خواہ رکوع سے پہلے کا قیام ہو یا بعد کا۔ اور یہ ایک نظیر کو دوسرے نظیر سے ملانے کی قبیل سے ہے، کیونکہ رکوع کے بعد کا قیام مشابہ ہے رکوع سے پہلے والے قیام کے۔ لہذا دونوں، نماز میں "قیام" کہلائیں گے۔ اور یہ اللہ کے لئے خشوع، عاجزی اور خاکساری کی صفات ہیں، یہ پوری نماز میں عام ہے سوائے جلسہ اور سجود وغیرہ کے۔ چنانچہ قیام بعد از رکوع کے استثناء کی کوئی دلیل نہیں ہے لہذا یہ اپنے عموم پر باقی ہے۔

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ ": لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے" ابو حازم کہتے ہیں": میرے خیال سے اسے نبی ﷺ ہی کی طرف منسوب کیا جائے گا"[2]۔ ان کا "فی الصّلوۃ" کہنا عام ہے خواہ (قیام) رکوع سے پہلے کا ہو یا بعد کا۔ اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ نماز میں ہاتھوں کی حالت بیان کر دی گئی ہے۔ رکوع میں گھٹنوں پر، سجدے میں زمین پر، جلوس میں رانوں پر، باقی بچا قیام، تو بروئے حدیث اسمیں ہاتھ کی حالت اس سے ملائی جائے گی۔

---

(۱) (نسائی ۸۸۷، دار قطنی ۲۸۶/۱، البانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الصحیحہ ۲۲۴۷ میں اسے صحیح کہا ہے)۔

(۲) (بخاری ۷۴۰)۔

تحریر: اس مسئلہ میں علماء معاصرین نے کافی کلام کیا ہے، کچھ نے پکڑنے کو تو کچھ نے ارسال (ہاتھ چھوڑے رکھنے) کو راجح قرار دیا ہے۔

بظاہر اس معاملے میں وسعت وگنجائش ہے، اسے لیکر کسی کو بدعتی یا فاسق ٹھہرانا درست نہیں ہے۔ شیخ بکر ابو زید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "اگر کوئی فروعی مسائل میں اجتہاد کرتے ہوئے کوئی قول اپناتا ہے تو اس پر کیچڑ اچھالنا مناسب نہیں ہے"(۱)۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اس پر عمل کرے جسے وہ راجح سمجھتا ہے۔ صالح بن امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: " میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آدمی رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اپنا ہاتھ کہاں رکھے گا؟ دائیں کو بائیں پر رکھے یا انہیں چھوڑ دے؟ تو امام احمد نے کہا: "میرے خیال سے اس میں تنگی نہیں کرنی چاہیئے"(۲)۔

خلاصہ کلام: نمازی چاہے تو رکوع کے بعد دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے اور چاہے تو ارسال کرے (انہیں چھوڑ دے) اور اگر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتا ہے تو جس طرح ارسال کی کوئی دلیل نہیں ہے اسی طرح قبض (پکڑے رکھنے) کی بھی کوئی صریح دلیل نہیں ہے، لہذا اس مسئلہ میں وسعت ہے اور کسی کو کسی دوسرے پر نکیر کا حق نہیں۔ ہاں اس بارے میں درست یہی ہے (واللہ اعلم) کہ ہر شخص اپنی اپنی سمجھ سے عمل کرے، ان شاء

(۱) (فقہ النوازل ۸۹/۱)۔

(۲) (مسائل الامام احمد بن حنبل روایۃ ابنہ ابی الفضل صالح ص:۷۸ ا مسئلہ نمبر ۶۱۵)۔

اللہ سب کو اپنے اجتہاد کا ثواب ملے گا۔ ہمارے لئے وہی کافی ہے جو ہمارے اسلاف کے لئے کافی تھا۔

ہم اس مسئلہ کا اختتام ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے کرتے ہیں جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، جس میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "دین آسان ہے، اور دین کے مقابلے میں جو سختی کریگا تو وہ مغلوب ہو جائے گا، لہذا "سدّدوا وقاربُوا" کا معاملہ اپناؤ اور اللہ سے خیر کی امید رکھو۔

❁❁❁

سجدے کے احکام

(۹) ۔ نمازی جب باطمینان رکوع اوراس کی دعاء سے فارغ ہو جائے تو"اللہ اکبر" کہتا ہوا سجدے میں جائے۔ سجدہ نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے،اسکے بغیر نماز نہیں ہوتی ۔اللہ کا ارشاد ہے:"اے ایمان والو! تم رکوع کرو اور سجدہ کرو"[۱]۔ نبی ﷺ نے "مسیٔ صلوۃ" سے فرمایا:"پھر سجدہ کرو، حتی کہ بحالتِ سجدہ مطمئن ہو جاؤ"[۲]۔

سجدے کی کیفیت:

(سجدے میں جاتے وقت) اپنے گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھے۔ حنبلی مذہب میں یہی مشہور ہے۔اس کی بنیاد وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ:"میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھتے تھے اور جب کھڑے ہوتے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے"[۳]۔

---

(۱) [حج:۷۷]

(۲) (بخاری۷۵۷، مسلم۳۹۷)۔

(۳) (ابوداؤد ۸۳۸، ترمذی ۲۶۹، نسائی ۱۰۹۷،ابن ماجہ ۹۳۲،دارقطنی ۱۵۰/۲ یہ حدیث ضعیف ہے،امام ترمذی نے اسکے بارے میں کہاہے: حدیث حسن غریب، ہم نہیں جانتے ہیں کہ "شریک" کے علاوہ بھی اسے کسی نے روایت کیاہے اور "شریک" اپنے تفرد میں قوی نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔امام البانی رحمہ اللہ نے بھی الارواء۳۶۷ میں اسے ضعیف بتلایا ہے)۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا: "یہی صحیح ہے، اسکی مخالفت میں آپ ﷺ کا عمل منقول نہیں ہے"[1]۔ گھٹنوں کا ہاتھوں سے پہلے زمین پر ٹیکنا اس وقت ہے جب آسانی ہو اور اگر نمازی کو عاجزی، بڑھاپے یا کسی مرض وغیرہ کیوجہ سے پریشانی لاحق ہو تو سجدے کے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو زمین پر رکھ سکتے ہیں۔ بالعموم اس بارے میں گنجائش ہے، نمازی چاہے گھٹنے مقدم کرے اور چاہے تو اسکے برعکس ہاتھوں کو پہلے رکھے۔

معاصرین علماء نے اس مسئلے میں کافی کلام کیا ہے حالانکہ اسمیں گنجائش ہے اور گھٹنوں یا ہاتھوں کے بارے میں حدیثیں صحیح نہیں ہیں، نمازی کو اختیار ہے دونوں میں سے جسے چاہے اپنائے۔ واللہ اعلم۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "دونوں صورتوں کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے۔ نمازی چاہے گھٹنوں کو پہلے رکھے یا ہاتھوں کو اسکی نماز بالاتفاق صحیح ہو گی، ہاں افضل ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے"[2]۔

سجدے میں نمازی دونوں پیر اور دونوں ہاتھ کی انگلیاں قبلہ رخ رکھے اور ہاتھوں کی انگلیاں باہم ملائے رہے۔ کیونکہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: "اور جب سجدہ کرتے تو ہاتھوں کو نہ بچھاتے اور نہ باندھ کر رکھتے، اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کا

---

(۱) (زادالمعاد ۱/۲۲۳)۔

(۲) (مجموع الفتاوی ۲۲/۴۴۹)۔

سر اقبلہ رخ رکھتے "(۱)۔ایک روایت میں ہے: "وفتحَ أصابعَ رجلَيه" اپنے دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلے کی طرف موڑ کر رکھتے (۲)۔

امام نووی رحمہ اللہ نے کہا: "سنت یہ ہیکہ نمازی اپنے دونوں ہاتھ کی انگلیاں باہم ملائے، قبلہ کی طرف انہیں پھیلائے، اپنے دونوں ہتھیلی پر ٹیک لگائے اور ہاتھوں کو اٹھا کر رکھے "(۳)۔

سات اعضاء پر سجدے کا بیان:

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے کہ نمازی اپنے سات اعضاء پر سجدہ کرے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا مجھے حکم ملا ہے: پیشانی (اور ہاتھ سے اپنی ناک کی طرف اشارہ کیا، یعنی پیشانی کے ساتھ ناک بھی) دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے کنارے۔ ہم کپڑے اور بال وغیرہ سمیٹتے نہیں تھے "(٤)۔

(۱) (بخاری ۸۲۸)۔

(۲) (ترمذی ۳۰۵، نسائی ۱۱۰۹، ابن ماجہ ۱۰۶۱، امام البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابوداؤد ۸۵۰ میں اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

(۳) (مجموع ۳/۴۰۸)۔

(٤) (بخاری ۸۱۲، مسلم ۴۹۰)۔

عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اسکے ساتھ سات اطراف (اعضاء) سجدہ کرتے ہیں: اسکا چہرہ، اس کی دونوں ہتھیلیاں، اسکے دونوں گھٹنے اور اسکے دونوں پاؤں [۱]۔

وہ سات اعضاء یہ ہیں:

۱۔پیشانی ناک کے ساتھ: ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ: "آپ ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنی ناک اور پیشانی زمین پر ٹیک دیتے" [۲]۔ ابن منذر نے اس بات پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے کہ صرف ناک پر سجدہ کافی نہیں ہوگا۔

۲۔۳۔ دونوں ہاتھ: براء بن عازب کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم سجدہ کرو تو اپنے دونوں ہاتھ (زمین پر) رکھ دو اور دونوں کہنی اٹھائے رکھو" [۳]۔

۴۔۵۔ دونوں گھٹنے: ابن عباس اور ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایتوں میں یہ اعضاء ثابت ہیں۔

---

(۱) (مسلم ۴۹۱)۔

(۲) (ترمذی ۲۷۱، انہوں نے اسے صحیح کہا ہے، ابوداؤد ۷۳۴، احمد ۳۱۷/۴، وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، کہتے ہیں کہ: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو زمین پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا، وہ سجدہ میں اپنی پیشانی وناک زمین پر رکھے ہوتے تھے)۔

(۳) (مسلم ۴۹۴)۔

٦۔٧۔دونوں پیر کی انگلیوں کا اندرونی حصہ :(پیر کی انگلیوں کا اندرونی حصہ کوئی ایسا عضو نہیں کہ جس پر سجدہ کرنا واجب ہے بلکہ انگلیوں کے اطراف پر سجدہ واجب ہے،ہاں انگلیوں کے اندرونی حصہ پر سجدہ مسنون ہے)۔یہ سابقہ روایتوں میں ثابت ہے اور ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں بھی اس کا ثبوت ہے جس میں ہے کہ :"جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھتے،نہ انہیں بچھاتے نہ ہی باندھ کر رکھتے،اور اپنے دونوں پیر کی انگلیوں کا سرا قبلہ رخ رکھتے تھے "[۱]۔

سجدے کی دعاء:

سجدے میں نمازی یہ دعاء پڑھے:"سبحانَ ربّی الأعلی "(پاک ہے میرا رب جو سب سے بلند ہے)امام مسلم وغیرہ نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ :"آپ ﷺ سجدے میں "سبحانَ ربّی الأعلی "کہتے تھے۔عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب "سبح اسم ربک الأعلی"نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:"اسے اپنے سجدوں کا حصہ بنالو"[۲]۔

---

(۱) (بخاری ۸۲۸)۔

(۲) (احمد ۱۵۵/۴،ابوداؤد ۸۶۹،ابن ماجہ ۹۳۷،دارمی ۳۴۱/۱ امام البانی رحمہ اللہ نے الارواء ۳۳۴میں اسے ضعیف کہاہے)۔

نمازی اس دعاء کو تین مرتبہ دہرائے اور یہ کم سے کم تعداد ہے، کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب (نمازی) سجدہ کرے تو چاہئے کہ تین مرتبہ "سبحانَ ربّی الأعلی" کہےاور یہ کم سے کم عدد ہے"[(۱)]۔

تین سے زائد بار بھی پڑھ سکتے ہیں۔ کیونکہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "میں نے اس لڑکے یعنی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بڑھ کر رسول ﷺ کی نماز سے مشابہ کسی کی نماز نہیں پائی۔ کہتے ہیں کہ ہم رکوع میں بیس تسبیح کا اندازہ لگاتے تھے اور سجدے میں بیس تسبیح کا"[(۲)]۔

اس میں درست بات یہ ہیکہ تسبیح کی کوئی معین تعداد نہیں ہے، جیساکہ رکوع کے بیان میں گزرا۔ نمازی کے لئے مستحب ہے کہ اس دعاء کے ساتھ سجدے میں یہ دعاء بھی پڑھے: "سبحانَک اللّھم ربّنا وبحمدِک، اللّھم اغفرلی" (اے ہمارے رب! تو پاک ہے اپنی حمد کے ساتھ، مولی! مجھے بخش دے)۔ کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ رکوع اور سجدے میں "سبحانَک اللّھم ربنا وبحمدِک، اللّھم اغفرلی" پڑھتے تھے"[(۳)]۔

---

(۱) (ابوداؤد ۸۸۶، ترمذی ۲۶۲، ابن ماجہ ۹۴۰، دار قطنی ۱/۳۴۳، حدیث ضعیف ہے)۔

(۲) (حدیث ضعیف ہے، جیساکہ اس کی تخریج ص: ۷۹ پر گزر چکی ہے)۔

(۳) (مسلم ۴۷۹)۔

فائدہ: سجدے میں یہ دعاء پڑھنا بھی مستحب ہے:" اللَّهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ ، وَبِكَ آمَنْتُ ، وَلَكَ أَسْلَمْتُ ، وَأَنْتَ رَبِّي سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وصوره وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ ، تَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ "اسلئے کہ یہ علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے، جس میں ہے کہ (نمازی)جب سجدہ کرے تو کہے:"اللهم لک سجدت..."[۱]۔

نمازی سجدے میں زیادہ سے زیادہ دعاء کرے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:"تم رکوع میں رب کی عظمت و بڑائی بیان کرواور سجدے میں زیادہ سے زیادہ دعاء کرو۔ کیونکہ یہ حالت (حالتِ سجود) قبولیتِ دعاء کے لئے بہت مناسب ہے"[۲]۔ نیز یہ بھی فرمایا:"بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب سے بہت قریب ہوتا ہے اسلئے (بحالتِ سجدہ)زیادہ سے زیادہ دعاء کرو"[۳]۔

(نمازی)پہلے خود اپنے لئے سوال کرے ۔کیونکہ ابو موسی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ اکثر یہ دعاء پڑھتے تھے"ربّ اغفرلی خطِیئتی، وجھلی وإسرافی فی أمری کلّه، وما أنتَ أعلمُ به منّی، اللّھم اغفرلی خطایایَ، وعمدی،

---

(۱) (مسلم ۷۷۱)۔

(۲) (مسلم ۴۷۹ بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ)۔

(۳) (مسلم ۴۸۲ بروایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ)۔

وجهلي وهزلي، وكلّ ذلك عندي، اللّهم اغفرلي ماقدمتُ، وما أخرتُ، وما أسررتُ، وما أعلنتُ، أنت المقدم، وأنت المؤخر، وأنت على كلّ شئى قدير"[1]۔

اس کے بعد دنیا وآخرت میں عام مسلمانوں کی بھلائی کا سوال کرے خواہ فرض نماز پڑھ رہا ہو یا نفل۔ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"کوئی مسلمان بندہ اپنے (مسلم) بھائی کے لئے اسکی پیٹھ پیچھے دعاء کرتا ہے تو ایک فرشتہ کہتا ہے: اور تیرے لئے بھی اسی کی مانند"[2]۔

سجدے میں کچھ ممنوع چیزیں:

مسلمان کو بری یا قطع رحمی والی دعاء سے احتراز کرنا چاہئے کیونکہ یہ ناجائز ہے بلکہ دعاء کی عدمِ قبولیت کے اسباب میں سے ہے۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"بندے کی دعاء اسوقت تک قبول کی جاتی ہے جب تک کہ وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعاء نہیں مانگتا"[3]۔

بحالتِ سجدہ اپنے بازوؤں کو پہلو سے دور رکھے اور یہ (بازوؤں کی دوری) اس وقت سنت ہے جب بغل والے کو اس فعل سے کوئی تکلیف نہ ہو، اگر بغل والے کو کوئی تکلیف پہونچ رہی ہے تو اسے ترک کرنا واجب ہے۔ابن بحینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں

---

(۱) (بخاری ۶۳۹۸، مسلم ۲۷۱۹)۔

(۲) (مسلم ۲۷۳۲)۔

(۳) (مسلم ۲۷۳۵)۔

ہے کہتے ہیں کہ: "آپ ﷺ جب نماز پڑھتے تو اپنے ہاتھوں کے بیچ کشادگی کرتے یہاں تک کہ بغل کی سفیدی ظاہر ہو جاتی"(۱)۔

مطلب یہ کہ ہاتھوں کو پہلو سے دور رکھتے تھے۔ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہتے ہیں کہ: "نبی ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے بازوؤں کو اپنی بغل سے دور رکھتے اور دونوں پاؤں کی انگلیاں کھڑی رکھتے تھے"(۲)۔ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: "نبی ﷺ جب سجدہ کرتے اور بکری کا بچہ ہاتھوں کے بیچ سے گزرنا چاہتا تو گزر جاتا"(۳)۔ صحابی رسول "احمر" کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں کو پہلو سے حالتِ سجدہ میں اتنا دور رکھتے تھے کہ ہمیں ان پر ترس آتا تھا(٤)۔

پیٹ کو رانوں سے اور رانوں کو پنڈلیوں سے دور رکھنا سنت ہے۔ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "کہ جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تو رانوں کے درمیان کشادگی رکھتے، اپنا

---

(۱) (بخاری ۳۹۰، مسلم ۴۹۵)۔

(۲) (ترمذی ۳۰۵، نسائی ۱۱۰۹، انکے علاوہ نے بھی اسے روایت کیا ہے، امام البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابن ماجہ ۸۷۰ میں اسے صحیح کہا ہے)۔

(۳) (مسلم ۴۹۶)۔

(٤) (احمد ۴/۳۴۲، ابوداؤد ۹۰۰، ابن ماجہ ۹۳۶، البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابی داؤد ۷۹۷ میں، اور صفۃ صلاۃ النبی ص: ۱۴۴، میں اسے صحیح کہا ہے)۔

پیٹ اپنے رانوں پر نہیں رکھتے"[۱]۔امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:"ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث سجدے میں رانوں کے بیچ کشادگی اور پیٹ کو ان سے بلند رکھنے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے،اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے"[۲]۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:"رسول اللہ ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے کندھے کھول دیتے تھے"[۳]۔حدیث کے ایک راوی ابو زکریا عنبری کہتے ہیں کہ: "نماز میں ،خَجّ الرجل،اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی اپنی بغلیں پھیلادے اور رکوع و سجود میں دوری رکھے۔

نمازی اپنی دونوں کہنی زمین سے اٹھائے رکھے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:"سجدے اطمینان سے کرو،اور تم میں سے کوئی شخص اپنی کہنیاں کتے کی مانند(زمین پر)نہ بچھائے"[٤]۔ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی اسکی ممانعت ثابت ہوتی ہے،وہ کہتی ہیں کہ:"نبی ﷺ نے اس بات سے منع فرمایاہیکہ آدمی اپنی

---

(۱) (ابوداؤد ۷۳۵، بیھقی ۱۱۵/۲، طحاوی فی شرح معانی الآثار ۲۶۰/۱)۔

(۲) (نیل الاوطار ۲۸۶/۲)۔

(۳) (احمد ۲۷٦/۱،ابوداؤد ۸۹۹، نسائی ۱۱۰۵،ابن خزیمۃ ۳۲٦/۱، بیھقی ۱۱۵/۲امام البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابی داؤد ۷۹٦ میں اسے صحیح کہاہے)۔

(٤) (بخاری ۵۳۲، مسلم ۴۹۳ بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ)۔

کہنیاں (زمین پر) درندوں کی مانند پھیلائے"[1]۔ معلوم ہوا کہ سجدے کی حالت میں نمازی کا اپنے ہاتھوں کو زمین پر بچھانا حرام ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

❁❁❁

(۱) (مسلم ۴۹۸)۔

سجدوں کے درمیان بیٹھنا

(۱۰) پھر "اللہ اکبر" کہتا ہوا اپنا سر سجدے سے اٹھائے۔ نبی ﷺ کی نماز کے بارے میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ: "آپ ﷺ سجدے سے اپنا سر اٹھاتے وقت "اللہ اکبر" کہتے پھر سجدے کے وقت اللہ اکبر کہتے"[1]۔ یہ سر اٹھانا (سجدے سے) اور اطمینان سے بیٹھنا نماز کے فرائض میں سے ہے۔ جبکہ جلسہ (دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا) نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے جسکے ادا کئے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل مسیئ صلاۃ سے نبی ﷺ کا یہ فرمانا ہے کہ: "بہ اطمینان سجدہ کرو، پھر سجدے سے سر اٹھاؤ حتی کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ"[2]۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بھی ہے کہ: "آپ ﷺ جب سجدے سے اپنا سر اٹھاتے تو اس وقت تک (دوسرا) سجدہ نہیں کرتے یہاںتک کہ برابر بیٹھ جاتے"[3]۔

سجدے کی کیفیت:

نمازی دونوں سجدوں کے درمیان جلسے میں اپنا بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پیر کھڑا رکھے۔ کیونکہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ: "اپنا

---

(۱) (بخاری ۷۸۹، مسلم ۳۹۲)۔

(۲) (بخاری ۷۵۷، مسلم ۳۹۷)۔

(۳) (بخاری ۸۲۳، مسلم ۴۹۸)۔

بایاں پیر موڑے اور اس پر بیٹھ جائے،اس اطمینان سے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ برابر لوٹ آئے ،پھر سجدے کے لئے جھکے "[۱]۔عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ :"آپ ﷺ اپنا بایاں پیر بچھاتے تھے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے "[۲]۔

نمازی کے لئے مناسب ہے کہ تنوع اپناتے ہوئے کبھی اپنے ہاتھ رانوں پر رکھے اور کبھی گھٹنوں پر۔کیونکہ نماز میں بیٹھنے کی کیفیت کے بارے میں جو عام حدیثیں نبی ﷺ سے وارد ہیں ان میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے :"آپ ﷺ اپنا بایاں پیر بچھا کر بیٹھتے۔اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے ،اور دائیں کوہنی کو دائیں ران سے ملاتے نہیں تھے اور دو انگلیوں کو پکڑ کر ایک حلقہ بنا لیتے[۳]۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں کہ :"رسول اللہ ﷺ جب دعاء کرنے بیٹھتے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔انگوٹھا بیچ والی انگلی پر رکھتے اور اپنے گھٹنے کو بائیں ہتھیلی میں ڈال رکھتے تھے[٤]۔

---

(۱) (احمد ۵/۴۲۴،ترمذی ۳۰۵،ابوداؤد ۷۳۴،البانی رحمہ اللہ نے الارواء ۳۰۵ میں اسے صحیح کہا ہے)۔

(۲) (مسلم ۴۹۸)۔

(۳) (ابوداؤد ۹۵۷،ترمذی ۲۹۳،نسائی ۱۲۷۳،ابن ماجہ ۸٦۷)۔

(٤) (مسلم ۵۷۹)۔

دونوں سجدوں کے بیچ کی دعاء:

دونوں سجدوں کے درمیان نمازی یہ دعاء پڑھے "رَبِّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي واهدني وَارْزُقْنِي واجْبُرْنِي "(میرے رب ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت دے، مجھے روزی عطا کر، مجھے عافیت میں رکھ اور میرے نقصان پورے فرما)۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ کہتے تھے "اللّٰھم اغفرلی، وارحمنی، وعافِنی، واھدنی، وارزقنی "[1]۔احمد اور ابن ماجہ میں "ربّ اغفرلی "کی جگہ "اللّٰھم اغفرلی "ہے۔

ترمذی میں "واجبرنی "اور ایک جگہ "وعافنی "کی زیادتی ہے، جبکہ احمد وابن ماجہ میں "وارفعنی "بھی موجود ہے۔اس جگہ نبی ﷺ سے مروی دعاؤں میں سے یہ دعاء بھی ہے:"ربّ اغفرلی، ربّ اغفرلی "حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دونوں سجدوں کے بیچ کہتے تھے:"رب اغفرلی، رب اغفرلی "[2]۔اسے نمازی جتنی بار چاہے دہرائے۔

علی الاقل اسے تین مرتبہ دہرانا چاہئے۔بہتر تو یہی ہے کہ اپنے جلسے کے بقدر اسے دہراتا رہے۔نبی ﷺ سے واردان تمام الفاظ کا جمع کرنا بہتر ہے۔امام نوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

---

(۱) (احمد ۱/۳۱۵،ابوداؤد ۸۵۰، ترمذی ۲۸۴،ابن ماجہ ۸۹۸)۔

(۲) (احمد ۵/۳۹۸،نسائی ۱۱۴۵،ابن ماجہ ۸۹۷،ابوداؤد ۸۷۴،طیالسی فی مسندہ ۱/۵۶،امام البانی رحمہ اللہ نے الارواء۳۳۵میں اسے صحیح کہا ہے)۔

کہ :"مذکورہ دعاء مستحب ہے،جبکہ احتیاط اس میں ہے کہ سابقہ ساتوں کلمات پڑھے جائیں"[1]۔اور وہ ساتوں کلمات یہ ہیں :"ربّ اغفرلی، وارحمنی، وعافنی، واهدنی، وارزقنی، واجبرنی، وارفعنی"۔

سابقہ دلیلوں کی روشنی میں کہا جاسکتا ہیکہ یہ دعاء کا مقام ہے، نبی ﷺ کافی دیر جلوس فرماتے یہاتنک کہ یہ کہا جاتا(گمان کیا جاتا) کہ آپ ﷺ بھول گئے ہیں۔اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی اس جگہ مزید جو دعاء چاہے پڑھ سکتا ہے۔ہاں انہیں اس جگہ پڑھنے کو سنت یا مستحب کا درجہ نہ دے۔

نمازی پر واجب ہیکہ یہ جلسہ بالکل اطمینان سے کرے، یہاتنک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ واپس آجائے۔بالکل اسی طرح جیسے رکوع کے بعد اعتدال کرتا ہے۔کیونکہ آپ ﷺ نے مسئ صلاۃ سے فرمایا:"تم پورے اطمینان سے سجدہ کرو، پھر سجدے سے سر اٹھاؤ یہاتنک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور اسی طرح اپنی پوری نماز میں کرو"[2]۔

دونوں سجدوں کے بیچ اطمینان سے بیٹھنا:

سجدوں کے درمیان دیر تک بیٹھنا مسنون ہے۔کیونکہ نبی ﷺ رکوع کے بعد اعتدال اور سجدوں کے بیچ جلوس کو طول دیتے تھے یہاتنک کہ گمان کیا جاتا کہ آپ ﷺ بھول گئے ہیں۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ثابت حدیث اس پر دلالت کرتی

---

(۱) (مجموع ۳/۴۱۵)۔

(۲) (بخاری ۷۵۷، مسلم ۳۹۷)۔

ہے جس میں ہے کہ (انہوں نے کہا): "میں اس بات میں کوئی کوتاہی نہیں کرونگا کہ تمہیں ویسے ہی نماز پڑھاؤں جیسے میں نے رسول اللہ ﷺ کو پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

ثابت بنانی نے کہا: انس رضی اللہ عنہ کچھ ایسی چیزیں کرتے تھے جسے میں نے تمہیں کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (رسول اللہ ﷺ) جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کھڑے رہتے یہاںتک کہ کہنے والا کہتا کہ آپ ﷺ بھول گئے اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی کہنے والا کہتا کہ شاید آپ ﷺ بھول گئے ہیں"[(١)]۔

دونوں سجدوں کے بیچ اقعاء کا حکم:

دونوں سجدوں کے بیچ اقعاء مسنون ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی: مشروع اقعاء جسے ہم ابھی بیان کرنے والے ہیں۔

دوسری: ممنوع اقعاء۔ اور اسکی صورت یہ ہیکہ آدمی اپنا دونوں چٹھا زمین پر رکھے، اور دونوں پنڈلیاں کھڑی رکھتے ہوئے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے۔ جیسا کہ کتے کا اقعاء ہوتا ہے[(٢)]۔ اس کی مشروعیت کا کوئی قائل نہیں ہے۔ بلکہ صحیح قول کے مطابق یہ حرام ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے متعدد حدیثوں میں اس سے منع فرمایا ہے۔

(أ) ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے مجھے تین چیزوں کے کرنے کا حکم دیا جبکہ تین چیزوں سے منع فرمایا: ہر روز چاشت کی دو رکعت

---

(١) (بخاری ٨٢١، مسلم ٤٧٢)۔

(٢) (ابن اثیر، النہایۃ ٤/٨٩)۔

پڑھنے، سونے سے پہلے وتر ادا کرنے اور ہر ماہ تین روزہ رکھنے کا حکم دیا۔اور جن تین چیزوں سے منع فرمایاوہ یہ ہیں: (نماز میں) مرغ کی طرح چونچ مارنے سے، کتوں کی طرح بیٹھنے سے اور لومڑی کی کی طرح التفات سے [1]۔

(ب)عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کے بارے میں فرماتی ہیں کہ:"اپنا بایاں پاؤں بچھاتے جبکہ دایاں کھڑا رکھتے اور شیطان کے اقعاء سے منع فرماتے،اس بات سے بھی روکتے کہ آدمی (نمازی)اپنے ہاتھ درندوں کی طرح پھیلائے اور آپ ﷺ سلام سے نماز ختم کرتے تھے" [2]۔

مسنون اقعاء یہ ہیکہ نمازی اپنے دونوں پیر کھڑا رکھے، جس طرح سجدے میں کرتا ہے اور اپنے دونوں چٹھوں کو اپنی دونوں ایڑیوں پر رکھے۔دونوں سجدوں کے بیچ کبھی کبھی اسکا کرنا مسنون ہے،ورنہ اکثر بچھا کر ہی بیٹھنا بہتر ہے۔اس کیفیت کی مشروعیت پر دلالت کرنے والی حدیثیں درج ذیل ہیں:

---

(۱) (احمد ۲/۳۱۱، منذری فی الترغیب والترہیب ۱/۳۷۰، البانی رحمہ اللہ نے صحیح الترغیب والترہیب ۵۵۵ میں اسے حسن لغیرہ کہا ہے)۔

(۲) (مسلم ۴۹۸)۔

۱۔طاووس بن کیسان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ :"ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پیروں پر اقعاء کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے کہا: یہ سنت ہے۔ہم نے کہا کہ اس میں تو آدمی پر ایک طرح کی سختی ہے ؟تو انہوں نے جواباً فرمایا بلکہ یہ تمہارے نبی ﷺ کی سنت ہے"(۱)۔

۲۔ابوزبیر مکی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ سجدے کے وقت جب سجدہ اولی سے اپنا سر اٹھاتے تو انگلیوں کے اطراف پر قعدہ کرتے اور کہتے : یہ سنت ہے"(۲)۔

۳۔ابوزہیر۔معاویہ بن حدیج سے مروی ہے کہتے ہیں کہ :"میں نے طاووس کو اقعاء کرتے دیکھا تو کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اقعاء کر رہے ہیں ؟تو انہوں نے کہا کہ : مجھے اقعاء کرتے نہیں دیکھ رہے ہو بلکہ یہی نماز ہے۔میں نے عبادلہ ثلاثہ : عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ابوزہیر کہتے ہیں کہ میں نے انہیں بھی اقعاء کرتے ہوئے دیکھا(۳)۔

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس پر ایک باب اس طرح باندھا ہے"باب إباحة الإقعاء على القدمَين بينَ السجدتَين"اور یہ اختلاف مباح کی جنس سے ہے،لہذا دونوں

(۱) (مسلم ۵۳۶)۔

(۲) (طبرانی فی المعجم الکبیر ۷۹/۱۱، بیہقی فی السنن الکبری ۱۱۹/۲)۔

(۳) (بیہقی ۱۱۹/۲)۔

سجدوں کے درمیان نمازی کا دونوں پیروں پر قعدہ جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ بایاں پیر بچھائے اور دایاں کھڑا رکھے"[۱]۔

امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس اقعاء کی نماز میں رخصت ہے، جب کہ مسنون بیٹھک وہی ہے جسے ہم نے ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ جس اقعاء کی رخصت ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے پیر کی انگلیوں کا سرا زمین پر رکھے اور ایڑیوں پر اپنے چھٹے، اس حال میں کہ گھٹنے زمین پر ہوں[۲]۔

❁❁❁

(۱) (صحیح ابن خزیمہ ۳۳۸/۱)۔

(۲) (السنن الکبری ۱۱۹/۲)۔

سجدہ ثانیہ کے احکام

(۱۱)''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کرے۔ ہیئت، تسبیح، ذکر واذکار جو کچھ پہلے سجدے میں کیا تھا اس میں بھی کرے کیونکہ نمازِ نبوی ﷺ کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ''سجدہ کرتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر سجدے سے سر اٹھاتے وقت بھی اللہ اکبر کہتے اور اس طرح پوری نماز ختم ہونے تک کرتے اور بیٹھنے کے بعد دوسری رکعت سے اٹھتے وقت اللہ اکبر کہتے''(1)۔

یہ دوسرا سجدہ بھی نماز کا رکن ہے جسکے بغیر نماز نہیں ہوگی یعنی اس کی بھرپائی کے لئے سجدہ سہو کافی نہیں ہوگا۔ اگر نمازی نے پہلا سجدہ کیا، دوسرا بھول گیا تو اسے (سجدہ ثانیہ) ادا کرنا ضروری ہوگا۔ مثلاً اگر امام آخری رکعت میں ایک سجدہ بھول گیا اور سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا تو یہ چھوٹا ہوا سجدہ اسی وقت پورا کرے اور تشہد کے لئے بیٹھے پھر سلام پھیرنے کے بعد دو سجدہ (سہو) کرے اور سلام پھیرے۔ سلام سے پہلے بھی سجدہ سہو کرنا جائز ہے۔

یہ سب اس صورت میں ہے جب نمازی کو جلدی یاد آجائے اور اگر مدت دراز ہوگئی تو پوری نماز دہرانی ہوگی اور مقتدیوں کے لئے بھی اسکی پیروی ضروری ہے جیسا کہ ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مغرب وعشاء میں سے کوئی نماز دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دی اور مسجد میں پڑی ایک لکڑی سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوگئے ۔ گویا آپ ﷺ غصے میں تھے۔ دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر انگلیوں کو انگلیوں میں ڈالے اور دایاں گال بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھے کھڑے تھے۔ جلد باز لوگ مسجد سے نکل چکے تھے، لوگوں نے کہا: (شاید) نماز کم کردی گئی ہے۔ ان میں ابو بکر وعمر رضی اللہ عنھما موجود تھے لیکن یہ بھی بات کرنے سے سہم رہے تھے۔ انہیں

---

(۱) (بخاری ۷۸۹، مسلم ۳۹۲)۔

میں ایک دراز ہاتھ والے شخص تھے جنہیں "ذوالیدین" کہا جاتا تھا۔ انہوں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم کردی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہ میں بھولا ہوں نہ نماز کم کی گئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے (حاضرین سے) دریافت کیا کہ کیا معاملہ ویسے ہی ہے جیسے ذوالیدین کہہ رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا جی ہاں۔ تو آپ ﷺ بڑھے اور چھوٹی ہوئی نماز مکمل کی پھر سلام پھیرے۔ بعدازیں تکبیر کہہ کر اپنے سجدوں کی مانند یا ان سے بھی طویل سجدہ (سہو) کئے۔ تکبیر کہتے ہوئے سجدے سے سر اٹھائے، پھر تکبیر کہہ کر سجدے میں گئے۔ اپنے سجدوں کی طرح یا ان سے کچھ طویل سجدہ کئے۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے پھر سر اٹھائے اور سلام پھیرے"[1]۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "اگر انقطاع لمبا ہو جائے یا وضوء ٹوٹ جائے تو نماز نئے سرے سے پڑھنی ہو گی۔ یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ہے اور اگر جلدی یاد آگیا تو (چھوٹی ہوئی رکعت پوری کر کے) سجدہ سہو کرے گا جیسا کہ ذی الیدین کے قصے میں آپ ﷺ نے کیا[2]۔

❁❁❁

---

(۱) (بخاری ۴۶۸، مسلم ۵۷۳)۔

(۲) (المغنی ۷۰۰/۱)۔

سجدے سے سر اٹھانااور جلسۂ استراحت

(۱۲)۔"اللہ اکبر" کہتے ہوئے نمازی سجدے سے اپنا سر اٹھائے، دایاں پیر کھڑا اور بایاں پیر بچھا کر تھوڑی دیر اس پر بیٹھے، جس طرح دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھتے ہیں۔اس بیٹھک کو"جلسہ استراحت" کہا جاتا ہے۔کیونکہ اس سے بدن کو تھوڑی راحت مل جاتی ہے۔اسکی دلیل مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ کہتے ہیں کہ :"انہوں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جب وہ نماز کی طاق رکعت میں ہوتے تو اٹھتے نہیں یہاں تک کہ برابر بیٹھ جاتے"[1]۔

ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جسے انہوں نے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بیان کیا، انہیں میں ایک ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔جب انہوں (ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ) نے نماز کا طریقہ من جملہ جلسہ استراحت بیان کیا، توانہوں نے تصدیق کی اور کہا کہ تونے سچ فرمایا، رسول ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔اور ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی نماز کے بارے میں ہے کہ وہ اپنا پاؤں موڑ کر بیٹھے اور جب ہر عضو اپنی جگہ لوٹ آیا تب کھڑے ہوئے"[2]۔

جلسۂ استراحت مستحب ہے، کیونکہ اسکا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔یہی اہل حدیثوں کا مذہب ہے اور شیخ (ابن باز رحمہ اللہ) نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ہاں اگر

---

(۱) (بخاری ۸۲۳)

(۲) (احمد ۵/۴۲۴، ترمذی ۳۰۴، امام البانی رحمہ اللہ نے الارواء ۳۰۴ میں اسے صحیح کہا ہے)۔

اسے چھوڑ دے تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ بعض علماء نے اسے سنت قرار دیا ہے۔ جلسہ استراحت کی کوئی ذکر ودعاء نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "جلسہ استراحت امام، مقتدی اور منفرد سب کے لئے مستحب ہے۔ یہ دونوں سجدوں کے بیچ بیٹھک کی جنس سے ہے، جو کہ تھوڑی دیر کی بیٹھک ہے۔ اس میں کسی طرح کی دعاء مشروع نہیں ہے اور اسکے چھوڑنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اس جلسہ کے بارے میں نبی ﷺ سے حدیثیں ہیں جو کہ مالک بن حویرث، ابوحمید ساعدی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہیں[1]۔

دوسری رکعت سے اٹھنے کی کیفیت:

پھر نمازی اپنے دونوں پاؤں کے سرے سے (پنجوں پر) گھٹنوں پر ٹیک لگا کر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو۔ کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "نبی ﷺ اپنے پاؤں کے پنجوں پر کھڑے ہوتے تھے"[2]۔ ابوعیسی ترمذی رحمہ اللہ نے کہا کہ: "ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل ہے۔ اہل علم نے اس بات کو اپنایا ہیکہ آدمی اپنے دونوں پاؤں کے پنجے پر نماز میں اٹھے"[3]۔

---

(۱) (مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ ۹۹/۱۱)۔

(۲) (ترمذی ۲۸۸، طبرانی فی الاوسط ۳۲۰/۳، بیہقی ۱۲۴/۲۔ اسکی سند کافی ضعیف ہے، ابن حجر رحمہ اللہ نے التقریب ص: ۲۸۴ رقم ۱۶۲۷ میں کہا ہے کہ اس میں خالد بن الیاس ایک متروک راوی ہے)۔

(۳) (سنن ترمذی ۸۰/۲)۔

یہ سنت کبارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے، کہ صحیح سندوں سے مروی ہیکہ علی، ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہم اپنے پیروں کے پنجوں پر اٹھتے تھے"(۱)۔

رہی بات دونوں ہاتھوں یا رانوں پر ٹیک لگانے کی، تو انہوں نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: "نبی ﷺ جب اٹھتے، تو اپنے دونوں گھٹنوں پر اٹھتے اور رانوں پر ٹیک لگاتے تھے" جب کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے (۲)۔

اگر آسانی ہو تو نمازی کے لئے جائز ہے کہ اپنے گھٹنوں پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو اور اگر پاؤں کے سرے سے کھڑا ہونا دشوار ہو تو اپنے دونوں ہاتھوں سے زمین پر ٹیک لگا سکتا ہے۔ کیونکہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث کا عموم اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اس میں ہے کہ "جب سجدہ ثانیہ سے آپ ﷺ نے سر اٹھایا تو بیٹھ گئے، زمین پر ٹیک لگائے پھر کھڑے ہوئے"(۳)۔

اسی طرح جب دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو قیام کی حالت میں سورہ فاتحہ اور فاتحہ کے بعد قرآن کا جو حصہ یاد ہو اس میں سے پڑھے، پھر جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا

---

(۱) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۴۶، مصنف عبدالرزاق ۲/۱۸۷ برقم ۲۹۶۶)۔

(۲) (ابوداؤد ۷۳۶، بیہقی ۲/۹۸، امام البانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الضعیفۃ ۹۲۹ میں اسے ضعیف قرار دیا ہے)۔

(۳) (بخاری ۸۲۴)۔

دوسری میں بھی اسی طرح کرے۔اس کی دلیل مسیٔ صلوۃ والی حدیث ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اسی طرح اپنی پوری نماز میں کرو"[1]۔

البتہ دوسری رکعت میں تکبیرِ تحریمہ اور دعاء استفتاح نہیں پڑھے گا۔کیونکہ یہ صرف نماز کی ابتداء میں مشروع ہیں۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہتے ہیں کہ : "رسول اللہ ﷺ جب دوسری رکعت سے اٹھتے تو"الحمد لله رب العالمين "سے قرات شروع کرتے اور (دعاءاستفتاح کیلئے) خاموش نہیں ہوتے"[2]۔

اسی طرح دوسری رکعت میں تجدیدِ نیت کی کوئی مشروعیت نہیں ہے۔کیونکہ شروع میں نماز کی نیت ابتدائی، درمیانی اور آخری سبھی حصوں کو شامل ہے اس میں پھر سے نیت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں البتہ استمرارِ نیت اور عدمِ انقطاع واجب ہے۔

❀❀❀

(۱) (بخاری ۷۵۷، مسلم ۳۹۷ بروایت ابوہریرۃ)۔

(۲) (مسلم ۵۹۹)۔

تشہد کے لئے بیٹھنا اور سلام پھیرنا

(۱۳) اگر نماز دو رکعت والی ہے، جیسے فجر، جمعہ اور عیدین کی نمازیں، تو دوسرے سجدے سے سر اٹھانے کے بعد تشہد میں اس طرح بیٹھے کہ اس کا دایاں پیر کھڑا ہو اور بائیں پیر کو بچھالے۔ جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہیکہ "رسول اللہ ﷺ اپنا بایاں پیر بچھاتے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے"[۱]۔ اور دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھ کر ہاتھ کی انگلیاں موڑلے، بس شہادت کی انگلی کھلی رکھے اور ذکر و دعاء کے وقت اس سے اللہ کی وحدانیت کی طرف اشارہ کرے۔

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں کہ: "رسول اللہ ﷺ جب تشہد میں بیٹھ کر دعائیں کرتے تو دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔ انگوٹھا بیچ والی انگلی پر رکھتے، اور اپنے گھٹنے کو بائیں ہتھیلی میں ڈال رکھتے[۲]۔

آپ ﷺ اپنی انگلیاں موڑتے اور دائیں ہاتھ کی انگلی شہادت سے اشارہ کرتے۔ یہ اشارہ پورے تشہد میں ہوتا۔ انگوٹھے سے ملی ہوئی انگلی سبابہ کہلاتی ہے کیونکہ گالی میں اس کا استعمال ہوتا ہے، ایک دوسرے اصطلاح میں اسے "مُسبّحہ" بھی کہتے ہیں۔

---

(۱) (مسلم ۴۹۸)

(۲) (مسلم ۵۷۹)۔

شہادت کی انگلی پر برابر نظر رکھنا نمازی کے لئے مستحب ہے،ایسی صورت میں سجدے کی جگہ نگاہ رکھنااس سے مستثنی ہوگا۔ مسند وغیرہ میں جید سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ نماز میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھتے،انگلی سے اشارہ کرتے اور اس پر اپنی نظر رکھتے تھے۔ پھر کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"یہ (شہادت کی انگلی) شیطان پر لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے"[1]۔

اگر دائیں ہاتھ کی خنصر و بنصر (کنارے کی دونوں انگلیوں) کو موڑ لے اور انگوٹھے کو بیچ کی انگلی سے ملاکر دائرہ بنالے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے تو بھی بہتر ہے۔ کیونکہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ": آپ ﷺ اپنا بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھ گئے، بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھے اور اپنی داہنی کہنی کو دائیں ران سے الگ رکھتے ہوئے دو انگلیوں کو پکڑ کر ایک حلقہ بنالیئے۔ پھر میں نے آپ ﷺ کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا۔ راوی حدیث بشر رضی اللہ عنہ نے انگوٹھے اور بیچ والی انگلی کا ایک حلقہ بنایا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا[۲]۔ یعنی نمازی خنصر و بنصر (کانی انگلی اور اس سے متصل انگلی) کو پکڑے اور انگوٹھے و بیچ والی انگلی سے ایک دائرہ بناکر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔

---

(۱) (احمد ۱۱۹/۲ اصفۃ الصلاۃ ص:۱۵۹ اور المشکاۃ ۹۱۷ میں البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے)۔

(۲) (احمد ۳۱۶/۴، ابوداؤد ۹۵۷، نسائی ۸۹۷، ابن ماجہ ۸۶۷، البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابی داؤد ۶۲۶ میں اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

نمازی کو اس میں تنوع کی کوشش کرنی چاہیئے، کیونکہ دونوں ہی طریقے نبی ﷺ سے ثابت ہیں اور افضل یہی ہیکہ کبھی پہلے طریقے پر عمل کرے اور کبھی دوسرے پر۔

یہ بھی جائزہیکہ کبھی نمازی اپنے بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھے۔ کیونکہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ،انہوں نے کہاکہ :"رسول اللہ ﷺ جب (تشہد میں) بیٹھتے،دعاء کرتے تو داہناں ہاتھ اپنے دائیں ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر"[۱]۔اسی طرح نمازی کبھی کبھار اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر بھی رکھ سکتا ہے۔اس لئے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہیکہ "آپ ﷺ اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے،داہناں ہاتھ داہنے ران پر اور انگلی سے اشارہ فرماتے"[۲]۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی دائیں انگلی جو انگوٹھے سے ملی ہوئی ہے بلند رکھتے اور اسی سے دعاء کرتے اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر پھیلا کر رکھتے"[۳]۔

تشہد کے الفاظ:

(پھر تشہد اول میں التحیات پڑھے) جس کے الفاظ یہ ہیں"التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا

---

(۱) (مسلم ۵۷۹)۔

(۲) (مسلم ۵۷۹)۔

(۳) (مسلم ۵۸۰)۔

وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ "(تمام زبانی، بدنی ومالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اے اللہ کے نبی! آپ پر سلامتی نازل ہو، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں، سلامتی نازل ہو، ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور یہ بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں)۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہتے ہیں کہ: "جب ہم نبی ﷺ کے ساتھ کسی نماز میں ہوتے تو کہتے: سلامتی نازل ہو اللہ پر اسکے بندوں کی طرف سے، سلامتی نازل ہو فلاں فلاں پر۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم یہ مت کہو کہ اللہ پر سلامتی نازل ہو کیونکہ اللہ ہی سلامتی نازل کرنے والا ہے بلکہ یہ کہو:" التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ (کیونکہ جب تم کہتے ہو تو آسمان یا ارض وسماء کے بیچ ہر بندے کو یہ دعاء پہونچتی ہے) أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، پھر اپنی پسند کی کوئی بھی دعاء مانگے"[1]۔

(۱) (بخاری ۸۳۱، مسلم ۴۰۲)۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :"صحابہ وتابعین میں سے اکثر اہلِ علم کا اسی دعاء پر عمل رہا ہے اور سفیان ثوری، ابن مبارک ،احمد، اسحاق رحمھم اللہ کا بھی یہی قول ہے"[(۱)]۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں کہ :"ہمیں رسول اللہ ﷺ قرآنی آیتوں کی طرح تشہد سکھاتے تھے، چنانچہ کہتے تھے:" التَّحِيَّاتُ المبارکات وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ لله، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ "[(۲)]۔

تشہد کی تشریح۔

"التحیات للہ" تحیۃ، کی جمع تحیات ہے اور تحیۃ تعظیم کو کہتے ہیں۔ ہر لفظ جو تعظیم پر دلالت کرے تحیۃ ہے اور مطلق طور پر اللہ کے سوا کسی کی تعظیم نہیں کی جائے گی۔

"الصلوات" یہ ہر اس چیز کو شامل ہے جسے شرعا یا لغتا ,صلوۃ، کہتے ہیں۔ تمام طرح کی نمازوں کا مستحق صرف اللہ ہے، ارشادِ باری تعالی ہے": اور تمہارے رب کا فرمان (صادر ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعاء کرو میں تمہاری دعائیں قبول کرونگا۔ یقینا جو لوگ

---

(۱) (سنن ترمذی ۸۲/۲)۔

(۲) (مسلم: ۴۰۳)۔

میری عبادت سے خود سری کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذلیل ہو کر جہنم میں پہونچ جائیں گے "(۱)۔

ہر نماز خواہ فرض ہو یا نفل اور ہر طرح کی دعاء بس اللہ ہی کے لئے ہے، وہی اسکا مستحق ہے، اسکے سوا کسی اور کو زیبا نہیں۔

"الطیبات" کے دو معنی ہیں: (۱) جنکا تعلق اللہ سے ہے (۲) جنکا تعلق بندوں کے افعال سے ہے۔ اللہ سے متعلق طیبات میں تمام پاکیزہ صفات اور تمام پاکیزہ اقوال وافعال شامل ہیں جو کہ اسی کے لئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "لوگو! سنو، بیشک اللہ پاک ہے اور پاک ہی چیزیں قبول کرتا ہے "(۲)۔

یعنی: پاک کہتا ہے، پاک کرتا ہے اور پاک چیزوں سے وابستہ ہے۔ وہ اپنی ذات، صفات، افعال ہر چیز میں پاک ہے اور بندوں کے قولی و فعلی پاک اعمال بھی اسی کے لئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا": اللہ پاک ہی چیز قبول فرماتا ہے" کیونکہ پاک چیز پاک ذات ہی کو لائق وزیبا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں۔ پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق "(۳)۔ یہی اللہ عزوجل کی سنت ہے۔

---

(۱) [مومن:۶۰]۔

(۲) (مسلم ۱۰۱۵)۔

(۳) [نور:۲۶]۔

"السلام" یہ مصدر ہے تسلیم کے معنی میں۔اللہ نے فرمایا: "اے ایمان والو! تم ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو"[1]۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے) ہر آفت سے سلامتی کی دعاء کریں اور یہ دعاء زندگی تک محدود نہیں بلکہ قیامت کی ہولناکیوں کے وقت بھی ہے،اسی لئے جب لوگ پل صراط پار کررہے ہونگے رسولوں کی دعاء ہوگی "اللھم سلمّ سلمّ"(اے پروردگار! سلامتی نازل فرما، سلامتی نازل فرما)[۲]۔ صرف آدمی کی موت سے خوف وبلا کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا لہذا قیامت کی ہولناکیوں تک ہمیں رسول ﷺ کیلئے سلامتی کی دعائیں کرنی ہیں۔

"علیک أیّھا النبی"اس سے رسول اللہ ﷺ مراد ہیں" ورحمة الله" "السلام"پر معطوف ہے،اس کا معنی ہوا "ورحمة الله علیک" "وبرکاتہ"(برکات) برکۃ کی جمع ہے۔باقی رہنے والی ڈھیر ساری بھلائی اس کا معنی ہے۔برکۃ یعنی ہر چیز میں خیر کی زیادتی۔رسول اللہ ﷺ کے لئے انکی موت کے بعد لوٹنے والی برکتیں کیا ہیں؟رہی بات آپ ﷺ کی زندگی میں برکت کی۔ تو یہ آپ کے کھانے،پینے اور اہل وعیال میں ممکن تھی۔اور موت کے بعد کی برکت آپ ﷺ کے متبعین کی کثرت ہے۔

"السلام علینا"یعنی ہمارے اپنے نفسوں،امام، مقتدی اور فرشتوں پر سلامتی۔

---

(۱) [احزاب:۵۶]۔

(۲) (بخاری ۲۴۳۱، مسلم ۱۸۲ بروایت ابوہریرۃ)۔

"وعلى عبادِ اللهِ الصالحين" صالح کی جمع صالحین ہے۔اور صالح وہ ہے جواللہ اور اسکے بندوں کے حقوق ادا کرے۔اس دعاء میں عورتیں اور وہ لوگ بھی داخل ہیں جو نماز میں شریک نہیں ہوسکے۔آپ ﷺ کے اس فرمان کیوجہ سے: "جب تم یہ دعاء(پڑھتے)ہو تو زمین وآسمان کے ہر بندے کو پہونچتی ہے"(۱)۔امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "ہر وہ شخص جواس دعاء سے مستفید ہوناچاہتاہے، جسے مخلوق نماز میں پڑھتی ہے تو چاہئے کہ اللہ کا نیک بندہ بن جائے، ورنہ اس عظیم فضیلت سے محروم رہے گا"۔

"أشهد" علم اور پختہ یقین کے ساتھ "لاإله إلا الله " کے اقرار کا نام شہادت ہے(۲)۔"لا إله إلا الله "یعنی اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔اگر نمازی "وحده لا شريك له" کا اضافہ کردے تو کوئی حرج نہیں۔اسلئے کہ تشہد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔"التحيات لله الصلوات الطيبات السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته" (راویِ حدیث مجاہد نے) کہا کہ ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے اسمیں "وبركاته" کا اضافہ کیا ہے۔"السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين

---

(۱) (بخاری ۸۳۱، مسلم ۴۰۲)۔

(۲) (وہ اقرار جو عمل کا متقاضی ہو۔مترجم۔)

أشهد أن لا إله إلا الله "ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اسمیں ہم نے (وحدہ لاشریک لہ) کا اضافہ کیا ہے۔" وأشهد أن مُحَمَّدا عبده ورسوله "(1)۔

"وأشهد أن مُحَمَّدا عبده ورسوله" یہ گواہی اس صدق ویقین کے ساتھ ہونی چاہئے جو آپ ﷺ کی پیروی، آپ ﷺ کے حکم کی اطاعت اور آپ ﷺ کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق اور آپکی منع کردہ چیزوں سے باز رہنے کا تقاضہ کرے۔اور مشروع ذرائع ہی سے اللہ کی عبادت کرنے کا متقاضی ہو۔

"عبده" اس میں بے دھرم غالی صوفیوں کی تردید ہے جو آپ ﷺ کو درجہ ربوبیت تک پہونچاتے ہیں۔اور "ورسوله" میں مشرکین کی تردید ہے جنہوں نے آپ ﷺ کو جھٹلایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر درود:

نمازی تشہد میں یہ درود پڑھے "اللهم صل على مُحَمَّد، وعلى آل مُحَمَّد، كماصليتَ على إبراهيم وعلى آل إبراهيم، إنک حميد مجيد، وبارک على مُحَمَّد، وعلى آل مُحَمَّد، كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم، إنک حميد مجيد" (اے اللہ! تو رحمت نازل فرما محمد اور آلِ محمد پر، جس طرح تو نے رحمت نازل فرمائی

---

(1) (مالک فی الموطا ۲۳۲/۱،ابوداؤد ۹۷۳،دارقطنی وصححہ ۳۵۱/۱،الطحاوی فی شرح معانی الآثار ۲۶۳/۱،امام البانی نے صحیح ابی داؤد ۸۵۷ میں اسے صحیح کہا ہے)۔

ابراہیم اور آلِ ابراہیم پر۔ بیشک تو لائق تعریف اور بزرگی والا ہے۔ برکت نازل فرما محمد اور آلِ محمد پر۔ جس طرح تونے برکت نازل فرمائی ابراہیم اور آلِ ابراہیم پر۔ بیشک تو لائق تعریف اور بزرگی والا ہے)۔

نماز میں آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے یہ الفاظ آپ ﷺ سے وارد ہیں اور یہی سب سے صحیح روایت ہے جیساکہ بخاری و مسلم میں کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: "رسول ﷺ ہمارے پاس آئے تو ہم نے کہا: ہم آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو جانتے ہیں مگر آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم کہو! اللهم صل على مُحَّد، وعلى آل مُحَّد، كماصليتَ على إبراهيمَ ، وعلى آلِ إبراهيمَ، إنّك حميدٌ مجيدٌ، اللّهم بارك على مُحَّد، وعلى آل مُحَّد، كما باركتَ على إبراهيم، وعلى آل إبراهيم، إنّك حميد مجيد"(۱)۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم کہو: "اللهم صل على مُحَّد، وأزواجِه، وذريتِه، كما صليتَ على آل إبراهيم، وبارك على مُحَّد وأزواجه وذريته، كما باركت على آل إبراهيم، إنّك حميد مجيد"(۲)۔

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں انہوں نے پوچھا کہ اللہ کے رسول! ہم کیسے آپ پر درود بھیجیں؟ تو آپ ﷺ نے یہ (درود) ذکر کیا)۔

---

(۱) (بخاری ۳۳۷۰، مسلم ۴۰۶)۔

(۲) (بخاری ۳۳۶۹، مسلم ۴۰۷)۔

کسی بھی (ثابت) دعاء سے آپ ﷺ پر نمازی درود بھیجے کافی ہو گا اور سنت کی پیروی مانی جائے گی۔اوپر مذکورہ دعاء کو "صلاۃِ ابراہیمی " کہتے ہیں، بہتر یہی ہیکہ نمازی اسی دعاء کو پڑھنے کی کوشش کرے اور نماز میں اسے ترک نہ کرے۔

تشہد کی حالت میں دعاء:

آخری تشہد میں استحبابی طور پر چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور یہ دعاء پڑھے: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ من عَذَابِ النَّارِ،ومن عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ" (اے اللہ !میں تیرے ذریعہ پناہ چاہتا ہوں جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے سے)۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی تشہد کرے تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے اور کہے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ چاہتا ہوں جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، موت وحیات کے فتنے اور مسیح دجال کے فتنے سے "(۱)۔اور مسلم میں ہے "جب تم میں سے کوئی آخری تشہد سے فارغ ہو "(۲)۔

(۱) (بخاری ۸۰۰، مسلم ۵۸۸)۔

(۲) (مسلم ۵۸۸)۔

اسکے بعد دنیاوآخرت کی بھلائی کی جو دعاء چاہے کرے۔ کیونکہ یہ قبولیتِ دعاء کی ایک جگہ ہے۔ اگر اپنے والدین کے لئے یا ان کے علاوہ دیگر مسلمانوں کے لئے دعاء کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں گناہ یا قطع رحمی کی دعاء سے احتراز کرنا چاہیئے کیونکہ یہ ناجائز بلکہ دعاء کی عدمِ قبولیت کی باعث ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ "بندے کی دعاء اس وقت تک قبول کی جاتی ہے جب تک کہ وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعاء نہ کرے"[1]۔

دعاء میں کوئی فرق نہیں ہے خواہ فرض نماز میں ہو یا نفل نماز میں۔ کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی ﷺ نے انہیں تشہد سکھایا تو فرمایا: "ثم يَتَخَيَّرُ مِنْ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُو" پھر وہ اپنی پسندیدہ دعاء کا انتخاب کر کے اللہ سے دعاء کرے[2]۔ مسلم کے الفاظ یہ ہیں: " ثم ليتخير بعد من المسألة ما شاء" پھر اللہ سے جو سوال کرنا چاہے، کرے[3]۔اس حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد عام ہے اور ہر اس دعاء کو شامل ہے جو بندے کے لئے دنیاوآخرت میں مفید ہو۔

ان حدیثوں میں ان لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ دنیاوی امور سے متعلق دعاء مانگنے پر نماز باطل ہو جاتی ہے۔ جیسے اس طرح کہنا کہ "میرے مولا! مجھے کشادہ گھر

---

(۱) (مسلم ۲۷۳۵)۔

(۲) (بخاری ۸۰۰، مسلم ۴۰۲)۔

(۳) (مسلم ۴۰۲)۔

عطا کر، باغات، گاڑیاں، زمینیں، خوبصورت لونڈی یا اچھا کھانا عطاء فرمایا۔اس قبیل کی کوئی اور دعاء۔

نبی ﷺ سے وارد (تشہد کی) مزید کچھ دعائیں:

۱۔ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ "کیونکہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع روایت میں ہے" اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ "[۱]۔اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ چاہتا ہوں گناہ میں پڑنے اور قرض سے۔

۲۔ "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَ أَخَّرْتُ، وَما أَسْرَرْتُ وَ أَعْلَنْتُ، وَما أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ"۔

ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ: تشہد اور سلام کے بیچ آخر میں کہے"اللهم اغفرلی ماقدمتُ وما أخرتُ، وما أسررتُ وما أعلنتُ، أنت المقدّمُ، وأنت المؤخّر، وأنت على كلّ شئی قدیر" اے اللہ !میرے اگلے و پچھلے گناہ بخش دے، جو میں نے چھپے طور پر کیا یا کھلے طور پر۔تو ہی اول اور تو ہی آخر ہے، تو ہر چیز پر قادر ہے[۲]۔

---

(۱) (بخاری ۸۳۲، مسلم ۱۳۵۳)۔

(۲) (بخاری ۶۳۹۸، مسلم ۲۷۱۹)۔

۳۔" اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْماً كَثِيراً ، وَلا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ أَنْتَ ، فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي ، إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ "۔

صحیحین میں ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے کہا کہ مجھے کوئی ایسی دعاء سکھادیجئے جس کے ذریعے میں نماز میں دعاء مانگوں ۔تو آپ ﷺ نے فرمایا : یہ دعاء پڑھو:"اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْماً كَثِيراً، وَلا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي، إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ" پروردگار! میں نے اپنے آپ پر بہت ظلم (گناہ) کیا ہے، گناہوں کو تیرے سوا کوئی معاف نہیں کر سکتا، پس تو مجھے معاف کر دے اور مجھ پر رحم فرما کیونکہ تو بہت زیادہ بخشنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے[(۱)]۔

اسکے بعد زیادہ سے زیادہ دعاء کرے کیونکہ یہ قبولیتِ دعاء کا مقام ہے۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ ﷺ کا عام فرمان ہے، کہ نبی ﷺ نے انہیں تشہد سکھاتے ہوئے فرمایا:" ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنْ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُو"پھر وہ اپنی پسندیدہ دعاء کا انتخاب کرکے اللہ سے دعاء کرے[(۲)]۔ مسلم کے الفاظ یہ ہیں" ثم يتخيّر من المسألة ما شاء"پھر (اللہ سے) جو مانگنا چاہے اس کا انتخاب کرے[(۳)]۔

---

(۱) (بخاری ۸۳۴، مسلم ۲۷۰۵)۔

(۲) (بخاری ۸۳۵، مسلم ۴۰۲)۔

(۳) (مسلم ۴۰۲)۔

اس حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد عام ہے اور ہر اس دعاء کو شامل ہے جو دنیا و آخرت میں آدمی کے لئے مفید ہو۔ان جیسے مقامات پر مشروع دعاؤں میں سے یہ بھی ہے:" رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ"کیونکہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی اکثر یہ دعاء ہوتی تھی"اللهم رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ"اے اللہ،ہمارے رب!تو ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا(۱)۔

سلام پھیرنے کا بیان:

بعدازیں"السلام علیکم ورحمۃ اللہ،السلام علیکم ورحمۃ اللہ"کہتے ہوئے دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرے۔دائیں جانب سلام پھیرنا فرض ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اسے کیا ہے اور اسکے علاوہ آپ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں ہے۔جبکہ بائیں جانب سلام پھیرنا علماء کے اتفاق کے ساتھ مستحب ہے۔ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس بات پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے(۲)۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ:"میں رسول اللہ ﷺ کو دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے ہوئے دیکھتا تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے

(۱) (بخاری۶۳۸۹،مسلم ۲۶۹۰)۔

(۲) (استذکار ۱/۵۳۱-۵۳۸)۔

رخسار کی سفیدی نظر آجاتی تھی "[1]۔ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں کہ :"میں نے رسول اللہ ﷺ کو "السلام علیکم" کہہ کر دائیں جانب سلام پھیرتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے داہنے رخسار کی سفیدی ظاہر ہوگئی اور اسی طرح بائیں جانب بھی"[2]۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"مفتاحُ الصلاةِ الوضوءُ، وتحريمُها التكبير، وتحلُيها التسليم" نماز کی کنجی وضوء ،اسکی حرمت تکبیر (تحریمہ)اور اسکی حلت سلام پھیرنا ہے[3]۔

نماز میں ایک سلام پھیرنے کا بیان:

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ نبی ﷺ کی نماز کی صفت کے بیان میں فرماتی ہیں کہ :"وكان يختم الصلوة بالتسليم"(آپ ﷺ)سلام کے ذریعے نماز ختم کرتے تھے[4]۔

ان مذکورہ شرعی دلیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہہ کر اپنے دائیں جانب سلام پھیرتے ،پھر بائیں جانب" السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہہ کر سلام

---

(۱) (مسلم ۵۸۲)۔

(۲) (احمد ۱/۴۰۶)۔

(۳) (احمد ۱/۱۲۳،ابوداؤد ۶۱، ترمذی ۲۳۸،ابن ماجہ ۲۷۵،امام ترمذی نے کہا اس باب میں یہ حدیث سب سے صحیح اور احسن ہے، جبکہ مسند کے محقق شعیب ارنؤوط نے اسکی سند کو حسن کہا ہے)۔

(٤) (مسلم ۴۹۸)۔

پھیرتے تھے۔یعنی دو سلام پھیرتے تھے۔یہی آپ ﷺ سے ثابت ہے اور اسکے علاوہ جو کچھ ہے وہ ثابت نہیں ہے۔

البتہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے ثابت ہیکہ وہ ایک ہی سلام پھیرتے تھے۔جو کہ اس بارے میں رخصت کی دلیل ہے۔چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیکہ وہ اپنے دائیں جانب ایک سلام پھیرتے تھے [۱]۔ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ثابت ہے کہ وہ اپنے چہرے کی جانب ایک ہی سلام پھیرتی تھیں [۲]۔

علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں: جمہور علماء کے نزدیک ایک سلام کافی ہے، کیوں کہ بعض احادیث میں اس کا ذکر ہے۔ جبکہ علماء کی ایک جماعت دونوں جانب سلام پھیرنے کو ضروری قرار دیتی ہے،اس لئے کہ نبی ﷺ سے اس بارے میں صحیح احادیث وارد ہیں، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: "صلّوا کما رایتمونی أصلّی" [۳]۔

یہی قول زیادہ درست معلوم ہوتا ہے اور رہی ایک سلام کے جواز کی بات تو وہ ضعیف ہے،اس بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔اگر کوئی صحیح روایت ہو بھی تو

---

(۱) (عبدالرزاق فی مصنفہ ۲/۲۲۲)۔

(۲) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱/۳۰۱)۔

(۳) (البخاری ۶۳۱، بروایت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ)۔

وہ شاذ کے حکم میں آئے گی۔ البتہ اگر کسی نے جہالت یا ان حدیثوں کو صحیح سمجھتے ہوئے ایک ہی سلام پر اکتفا کیا تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی[1]۔

❁❁❁

(۱) (مجموع فتاوی بن باز ۱۶۶/۱۱)۔

تشہدِ اول

(۱۴) ۔اگر نماز تین رکعت والی ہے جیسے نماز مغرب، یا چار رکعت والی ہے جیسے ظہر، عصر اور عشاء، توان میں نمازی یہ تشہد پڑھے گا: التحياتُ للهِ والصلواتُ والطيبات السلام عليك أيّها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عبادِ الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن مُحَمّداً عبده ورسوله "۔اس تشہد کے ساتھ درود بھی پڑھے۔

تیسری رکعت کے لئے اٹھنے کی کیفیت:

پھر اگر ہو سکے تو اپنے گھٹنوں پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو۔کیونکہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ کہتے ہیں کہ: "نبی ﷺ جب اٹھتے تو اپنے دونوں رانوں پر ٹیک لگا کر اپنے گھٹنوں پر کھڑے ہوتے "[۱]۔اور اگر دونوں قدموں کے پنجوں پر کھڑا ہونا دشوار ہو تو زمین پر دونوں ہاتھوں سے ٹیک لگالے۔اس لئے کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "جب وہ دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو بیٹھتے،اور زمین پر ٹیک لگاتے پھر کھڑے ہوتے تھے "[۲]۔[۱]

(۱) (ابوداؤد ۷۳۶، بیہقی ۹۸/۲،البانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الضعیفۃ ۹۲۹ میں اسے ضعیف کہا ہے)۔

(۲) (بخاری ۸۲۴)۔

نمازی کے لئے مسنون ہے کہ "اللہ اکبر" کہتا ہوا مونڈھوں تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ نماز میں داخل ہوتے تو "اللہ اکبر" کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے ۔پھر جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔اور جب " سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعت سے اٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور ابن عمر اسے اللہ کے نبی ﷺ تک پہونچاتے تھے"[۲]۔

نمازِ نبوی ﷺ کے بیان میں ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "جب دو رکعت سے اٹھتے تو ,اللہ اکبر، کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے، جس طرح نماز کے شروع میں ,اللہ اکبر، کہتے وقت کرتے تھے"[۳]۔

پھر جب برابر کھڑا ہو جائے تو اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لے اور صرف سورہ فاتحہ پڑھے۔اسلئے کہ بخاری و مسلم میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہتے ہیں کہ: "نبی ﷺ نماز ظہر وعصر کی شروع کی دو رکعت میں سورہ فاتحہ اور کوئی ایک سورت پڑھتے

---

(۱) (اس کے مقابلے میں اوپر والی وائل بن حجر کی روایت ضعیف ہے۔لہذا اس صحیح حدیث پر عمل بہتر ہے۔مترجم)۔

(۲) (بخاری ۷۳۹)۔

(۳) (ابوداؤد ۷۳۰، ترمذی ۳۰۵، نسائی ۱۱۸۹ انکے علاوہ نے بھی صحیح سند سے اسے روایت کیا ہے)۔

تھے۔بسااوقات ہمیں آیت(قرأت) سناتے تھے۔جبکہ آخر کی دونوں رکعتوں میں (صرف)سورہ فاتحہ پڑھتے تھے"[1]۔

اگر نمازی اپنی تمام نمازوں میں صرف سورہ فاتحہ پر اکتفاء کرے تو بھی اسکی نماز صحیح ہو جائے گی۔کیونکہ معاذ رضی اللہ عنہ کی امامت کے قصے میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی سے کہا:"كيفَ تصنعُ ياابن أخي إذاصليتَ؟" (بھتیجے!جب تم نماز پڑھتے ہوتو کیا کرتے ہو؟)توانہوں نے جواب دیا کہ میں سورہ فاتحہ پڑھتا ہوں،اللہ سے جنت مانگتا ہوں اور جہنم سے پناہ۔اور مجھے معلوم نہیں ہے کہ آپ اور معاذ آپس میں کیا پھس پھسا رہے تھے۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"إني ومعاذ حولَ هاتَين"میں اور معاذ اسی کے ارد گرد تھے۔ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا":حولَها نُدندنُ"ہم اسی کے ارد گرد پھسپھسارہے تھے[2]۔جبکہ انہوں نے صرف سورہ فاتحہ پڑھا تھا۔لہذایہ اس بات کی دلیل ہیکہ جس شخص نے صرف سورہ فاتحہ پر اکتفاء کیاتو بھی اسکی نماز صحیح ہو جائے گی۔

---

(۱) (بخاری ۷۵۹، مسلم ۴۵۱،امام بخاری نے اسی حدیث سے ایک باب باندھا ہے اور وہ ہے"باب يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب)۔

(۲) (ابوداؤد ۷۹۳،ابن ماجہ ۹۱۰، بروایت جابر بن عبداللہ۔البانی رحمہ اللہ نے صفۃالصلاۃ ص:۸۵میں اسے صحیح کہاہے)۔یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (صحابی کو)اس عمل پر باقی رکھاجو کہ تقریری سنت کہلاتی ہے۔مترجم)۔

تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی سورت کی تلاوت:

کبھی کبھی ظہر کی تیسری وچوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی اور سورت بھی پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ بھی سنت ہے اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث، نبی ﷺ سے اس عمل کے ثابت ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ جس میں ہے کہ "نبی ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں کی ہر رکعت میں تیس آیتوں کے بقدر قراءت کرتے جبکہ آخر کی دو رکعتوں میں پندرہ آیتوں کے بقدر..."[(۱)]۔

تشہدِ اول میں اگر نمازی درود نہیں پڑھتا ہے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ تشہد اول میں درود پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں۔ سنت سے ثابت ہیکہ تشہد کے بعد کچھ نہ پڑھے بلکہ کھڑا ہو جائے۔ اس کی دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ: "رسول اللہ ﷺ جب پہلی دو رکعتوں میں بیٹھتے تو جیسے گرم پتھر پر ہوں"[(۲)]۔

اس حدیث کی شہادت ایک مرفوع روایت سے ملتی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے جید سند سے روایت کیا ہے، وہ ہے محمد بن اسحاق مدنی کی روایت۔ جس میں تحدیث کی صراحت کے ساتھ ہے کہ "پھر اگر وہ وسطِ نماز میں ہوتے تو تشہد سے فارغ ہوتے وقت

---

(۱) (مسلم ۴۵۲)۔

(۲) (ابوداؤد ۹۹۵، ترمذی ۳۶۶، نسائی ۱۱۸۴، امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے، مگر ابوعبیدہ نے اسے اپنے والد سے نہیں سنا ہے لہذا اس میں انقطاع ہے، امام البانی رحمہ اللہ نے المشکاۃ ۹۱۵ میں اسے حسن قرار دیا ہے)۔

کھڑے ہو جاتے "[۱]۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمل سے بھی اسکی شہادت ملتی ہے کہ "جب وہ تشہدِ اول میں بیٹھتے تو گویا گرم پتھر پر ہوتے تھے "[۲]۔

پھر آخری تشہد میں مغرب کی تیسری رکعت کے بعد اور ظہر، عصر و عشاء کی چوتھی رکعت کے بعد وہی تشہد پڑھے جو دو رکعت والی نمازوں کے بیان میں گزرا ہے۔

فائدۃ: آخری تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت:

اس تشہد میں نمازی تورک کی ہیئت میں بیٹھے گا۔ اور تورک یہ ہے کہ: آدمی اپنا بایاں پاؤں دائیں پنڈلی کے نیچے سے نکالے، دایاں پیر کھڑا رکھے اور چوتڑ زمین پر ہو۔ کیونکہ یہ نبی کی نماز کے طریقے میں ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ "جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری رکعت میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پیر آگے کرتے، دوسرا (داہنا پیر) کھڑا رکھتے اور مقعد پر بیٹھتے تھے "[۳]۔

اب نمازی "السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہتے ہوئے اپنے دائیں اور بائیں جانب سلام پھیر دے۔ نمازِ نبوی کے بیان میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں

(۱) (احمد ۱/۴۶۰، ابن خزیمۃ فی صحیحہ ۱/۳۵۰، ابن حجر رحمہ اللہ نے التلخیص ۱/۲۶۳ میں اسے صحیح کہا ہے)۔

(۲) (ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ ۱/۲۶۳ برقم ۳۰۱۷)۔

(۳) (بخاری ۷۹۴)۔

ہے کہ "وكان يختم الصلاة بالتسليم" وہ سلام سے اپنی نماز ختم کرتے تھے[1]۔ سلام کا بیان ص:۱۲۷ پر گزر چکا ہے۔

❁❁❁

(۱) (مسلم ۴۹۸)۔

نماز کے بعد کی دعائیں

امام کو چاہیے کہ سلام پھیرنے کے بعد اپنی جگہ پر رہے اور مقتدیوں کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے تین مرتبہ اللہ کا استغفار بیان کرتے ہوئے کہے: استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ۔ پھر اپنی جگہ پر رہتے ہوئے یہ دعاء پڑھے: "اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلامُ، وَمِنْكَ السَّلامُ، تَبارَكْتَ يا ذا الجَلالِ وَالإِكْرامِ "۔ (اے اللہ! تو سلام ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی حاصل ہوتی ہے، اے عزت وجلال والے! تو بابرکت ہے)۔

یہ ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ استغفار کرتے اور کہتے "اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلامُ، وَمِنْكَ السَّلامُ، تَبارَكْتَ يا ذا الجَلالِ وَالإِكْرامِ "ولید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اوزاعی رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ استغفار کیسے ہو؟ توانہوں نے کہا: " استغفر اللہ، استغفر اللہ" کہو[1]۔

واضح رہے کہ یہ دعاء امام، منفرد اور مقتدی سب کے لئے عام ہے۔ البتہ امام مقتدیوں کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے اپنی جگہ پر رہتے ہوئے یہ دعاء پڑھے گا۔ اور امام ہونے کی صورت میں قعود (بیٹھک) کو طول نہیں دے گا مگر اتنی ہی مقدار کہ جتنے میں تین مرتبہ استغفر اللہ اور "اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلامُ، وَمِنْكَ السَّلامُ، تَبارَكْتَ يا ذا الجَلالِ

(۱) (مسلم ۵۹۱)۔

وَالإِكْرَامِ "پڑھ سکے۔ کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہتی ہیں کہ: نبی ﷺ جب سلام پھیرتے تو اتنی مقدار بیٹھتے جتنے میں "اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلامُ، وَمِنْكَ السَّلامُ، تبارَكْتَ يا ذا الجَلالِ وَالإِكْرَامِ "پڑھ سکیں[1]۔

اور یہ اس صورت میں مستثنی ہے جب وہاں مسجد میں عورتیں بھی نماز پڑھتی ہوں کیونکہ ایسی حالت میں امام یا مقتدی کے لئے ٹھیک نہیں کہ عورتوں کے نکلنے سے پہلے نکلیں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے، کہتی ہیں کہ: "آپ ﷺ جب سلام پھیرتے تو عورتیں نکلتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے نکلنے سے پہلے وہ اپنے گھروں میں چلی جاتی تھیں"[2]۔ امام یا مقتدی کے لئے عورتوں کے مسجد سے (گھروں کو) لوٹنے سے پہلے نکلنا مکروہ اس لئے ہے تاکہ مردوزن کے اختلاط سے کسی طرح کا فتنہ رونما نہ ہو۔

اگر آدمی مقتدی ہے تو امام کے لوٹنے سے پہلے اپنی جگہ سے نہ لوٹے۔ (امام کے لوٹنے سے مراد مسجد سے اسکا نکلنا نہیں ہے بلکہ قبلہ سے منتقل ہونا اور مقتدیوں کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے)۔ کیوں کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "لوگو! میں تمہارا امام ہوں۔ لہذا، تم مجھ سے آگے نہ بڑھو۔ نہ رکوع میں، نہ سجود میں، نہ

---

(۱) (مسلم ۵۹۲)۔

(۲) (بخاری ۸۵۰، مسلم ۶۴۵)۔

قیام میں اور نہ ہی لوٹنے میں"[۱]۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:"اس میں صراحت ہے کہ انصراف سے مراد امام سے پہلے مقتدی کا انصراف ہے[۲]۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:"مقتدی کے لئے اس وقت تک کھڑا ہونا مناسب نہیں جب تک کہ امام نہ لوٹے (مڑے) یعنی جہتِ قبلہ سے منتقل نہ ہو۔اسی طرح امام کے لئے بھی نامناسب ہیکہ وہ سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رو ہو کر بیٹھا رہے بلکہ وہ اتنی ہی مقدار ٹھہرے کہ جتنے میں تین مرتبہ استغفار اور"اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلاَمُ وَمِنْكَ السَّلاَمُ، تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلاَلِ وَالإِكْرَام"پڑھا جا سکے۔اگر امام مڑ گیا تو پھر جو جانا چاہے جائے اور جو بیٹھ کر اللہ کا ذکر و اذکار کرنا چاہے کرے[۳]۔

اللہ کے ذکر کے بعد یہ دعاء پڑھنا مستحب ہے:

" لاإله إلا الله وحدَه لاشريكَ له، له الملكُ وله الحمدُ وهو على كل شئ قدير، لاحولَ ولاقوة إلا بالله، اللهم لا مانعَ لما أعطيتَ ولا معطى لما منعتَ ولا ينفع ذا الجد منكَ الجد، لا إله إلا الله، ولانعبدُ إلا إيّاه، له النعمةُ وله الفضلُ، وله الثناءُ الحسن، لا إله إلا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون"۔(اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے اور اسی

---

(۱) (مسلم ۴۲۶)۔

(۲) (نیل الاوطار ۳/۱۷۳۔۱۷۴)۔

(۳) (مجموع الفتاوی ۲۲/۵۰۵)۔

کے لئے تعریف۔وہ ہر چیز پر قادر ہے۔اے اللہ! جو تو عطاء کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روک لے اسے کوئی عطاء کرنے والا نہیں۔کسی مالدار کو اسکی مالداری تیرے عذاب سے بچا نہیں سکتی،اللہ کی توفیق کے بغیر کوئی قوت و طاقت کار گر نہیں،اسکے سوا کوئی معبودِ بر حق نہیں،ہم سب اسی کی عبادت کرتے ہیں۔نعمت و فضل اسی کا ہے اور اسی کے لئے عمدہ تعریف ہے۔اللہ کے سوا کوئی معبود(بر حق) نہیں۔ہماری عبادت خالص اسی کے لئے ہے اگرچہ کافروں کو ناگوار لگے۔

کیونکہ یہ (دعاء)ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ جب سلام پھیرتے تو کہتے:" لا إله إلا الله وحده لاشريک له، له الملک و له الحمد، وهو على كل شئى قدير، لاحول ولاقوة إلابالله، لا إله إلا الله، ولا نعبد إلا إيّاه، له النعمةُ و له الفضلُ، و له الثناءُ الحسن، لا إله إلا الله مخلصين له الدين، ولوكره الكافرون"اور وہ(راوی) کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد اسی (دعاء) سے تہلیل بیان کرتے تھے"[1]۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی بھی حدیث ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے مڑتے تو کہتے :"لا إله إلا الله، وحده لاشريک له، وله الحمد، وهو على كل شئى قدير، اللّهم لامانعَ لما أعطيتَ، ولا معطى لما منعتَ، ولا ينفع ذا الجد منک الجد"[2]۔

---

(۱) (مسلم ۵۹۴)۔

(۲) (بخاری ۸۴۴، مسلم ۵۹۳)۔

اس کے بعد تینتیس(۳۳)مرتبہ "سبحان اللہ" تینتیس(۳۳)مرتبہ "الحمد للہ"اور تینتیس(۳۳) مرتبہ "اللہ أکبر" کہنا اور سو کی گنتی اس دعاء سے پوری کرنا مستحب ہے: "لا إله إلا الله، وحده لاشریک له، له الملک وله الحمد، وهو علی کل شئی قدیر"(اللہ کے سوا کوئی معبود بر حق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھیدار نہیں، اسی کی بادشاہت ہے، اسی کے لئے تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے ہر نماز کے بعد (۳۳) مرتبہ "سبحان اللہ"، (۳۳) مرتبہ "الحمد للہ"اور (۳۳) مرتبہ "اللہ أکبر" کہا تو یہ (۹۹) ہوئے اور سو(۱۰۰) کی گنتی "لا إله إلا الله، وحده لا شریک له، له الملک وله الحمد، وهو علی کل شئی قدیر" سے پوری کی تو اسکے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں گرچہ سمندر کی جھاگ کی مانند ہوں"[1]۔

نبی ﷺ سے وارد تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل کے کچھ صیغے:

(۱)۔"سبحان اللہ "(۳۳) مرتبہ "الحمد للہ"(۳۳) مرتبہ اور"اللہ أکبر"(۳۴) مرتبہ کہے۔ صحیح مسلم میں کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:" مُعَقِّبَاتٌ لا يَخِيبُ قَائِلُهُنَّ أَوْ فَاعِلُهُنَّ دبر کل صلاة مکتوبة، ثلاث وَثَلاثُون تَسْبِيحَةً، وَثَلاثٌ وَثَلاثُونَ تَحْمِيدَةً، وَأَرْبَعٌ وَثَلاثُون تَكْبِيرَةً" کچھ پیچھے

---

(۱) (مسلم ۵۹۷)۔

بعد دیگرے آنے والی چیزیں ہیں، جنہیں ہر فرض نماز کے بعد کہنے یا کرنے والا خسارے میں نہیں رہے گا:(۳۳) مرتبہ "سبحان الله"(۳۳) مرتبہ "الحمد لله"اور (۳۴) مرتبہ" الله أكبر"۔

(۲) ۔"سبحان الله"(۲۵)مرتبہ "الحمد لله" (۲۵)مرتبہ "الله أكبر"(۲۵) مرتبہ اور"لا إله إلا الله"(۲۵)مرتبہ کہے۔

جیسا کہ زید بن ثابت کی حدیث میں آیا ہے وہ کہتے ہیں کہ : ہمیں حکم دیا گیا کہ ہر نماز کے بعد (۳۳) مرتبہ "سبحان الله"(۳۳) مرتبہ "الحمد لله"اور(۳۴) مرتبہ " الله أكبر" کہیں۔ پھر ایک انصاری نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ ہر نماز کے بعد (۳۳) مرتبہ "سبحان الله"(۳۳) مرتبہ "الحمد لله"اور (۳۴) " الله أكبر " کہو؟ تو (انصاری نے) کہا ہاں۔اس پر اس شخص نے کہا:انہیں پچیس(۲۵) کردو اور انکے ساتھ "لا إله إلا الله" بھی شامل کرلو۔ پھر صبح کو انہوں (انصاری) نے نبی ﷺ سے یہ خواب بیان کیا تو آپ ﷺ نے کہا: ہاں(ایسا) کرلو"[۱]۔

(۳)۔"سبحان الله"(۱۰)مرتبہ"الحمد لله" (۱۰)مرتبہ اور" الله أكبر"(۱۰)مرتبہ۔

---

(۱) (احمد ۵/۱۸۴، ترمذی ۳۴۱۳، نسائی ۱۳۵۱، ابن ماجہ ۱۳۵۹، البانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الصحیحۃ ۱/۱۶۱ برقم: ۱۰۱ میں اسے صحیح کہا ہے)۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! اہل ثروت (اونچے) درجات اور دائمی نعمت لے بڑھے، آپ ﷺ نے پوچھا، وہ کیسے؟ توانہوں نے جواب دیا کہ وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں، ہماری ہی طرح جہاد کرتے ہیں اور اپنے زائد (ضرورت سے) مال خرچ کرتے ہیں، جبکہ ہمارے پاس (اللہ کی راہ میں خرچ کیلئے) مال نہیں ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (أفلا أُخبِرُكم بأمرٍ تُدرِكونَ مَن كان قبلَكم، وتَسبِقونَ مَن جاء بعدَكم، ولا يأتي أحدٌ بمثلِ ما جئتُم به إلا مَن جاء بمثلِه؟ تُسَبِّحونَ في دُبُرِ كلِّ صلاةٍ عشْرًا، وتَحمَدونَ عشْرًا، وتُكَبِّرونَ عشْرًا) کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل نہ بتاؤں کہ جس سے تم اپنے سے پہلے لوگوں کا درجہ پا سکتے ہو اور بعد والوں پر سبقت بھی لے جا سکتے ہو، اور کوئی تم جیسا نہیں لا سکتا ہے سوائے اسکے جو اسی طرح کرے؟ تم ہر نماز کے بعد (۱۰) مرتبہ "سبحان اللہ" (۱۰) مرتبہ "الحمد للہ" اور (۱۰) مرتبہ "اللہ أکبر" کہو[۱]۔

آیۃ الکرسی اور معوذتین پڑھنا:

اسی طرح ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنا مستحب ہے اور وہ یہ ہے ﴿ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْحَيُّ ٱلْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُۥ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَّهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۗ مَن ذَا ٱلَّذِى يَشْفَعُ عِندَهُۥٓ إِلَّا بِإِذْنِهِۦ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا

(۱) (بخاری ۶۳۲۹)۔

خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴾ (۱)۔ (اللہ ہی معبودِ برحق ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ ہے اور سب کو تھامنے والا ہے، جسے نہ اونگھ آئے نہ نیند۔ اسکی ملکیت میں زمین وآسمان کی تمام چیزیں ہیں۔ کون ہے جو اسکی اجازت کے بغیر اسکے سامنے شفاعت کرسکے۔ وہ جانتا ہے جو انکے سامنے ہے اور جو انکے پیچھے ہے اور وہ اسکے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرسکتے مگر جتنا وہ چاہے، اسکی کرسی کی وسعت نے زمین وآسمان کو گھیر رکھا ہے اور اللہ انکی حفاظت سے نہ تھکتا ہے نہ اکتاتا ہے وہ تو بہت بلند اور بڑا ہے)۔

کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی، اسے زندگی کے سوا جنت میں داخلے سے کوئی نہیں روک سکتا" (۲)۔

اسی طرح نمازی **"** قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ **"** قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ **"اور"** قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ **"** ہر نماز کے بعد پڑھے۔ کیونکہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، کہتے ہیں

---

(۱) [البقرۃ:۲۵۵]

(۲) (نسائی فی السنن الکبری بسند صحیح ۹۹۲۸، الطبری فی المعجم الکبیر ۱۱۴/۸ امام البانی رحمہ اللہ نے صحیح الجامع ۶۴۶۴ میں اسے صحیح قرار دیا ہے، بروایت أبی أمامۃ)۔

کہ :"رسول اللہ ﷺ نے مجھے ہر نماز کے بعد معوذات پڑھنے کا حکم دیا"ایک روایت میں صیغہ امر کے ساتھ یوں ہے"اقرؤوا المعوذات"تم معوذات پڑھو(۱)۔

فجر ومغرب کی نماز کے بعد ان تینوں سورتوں کا تین تین بار پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ اس بارے میں نبی ﷺ سے احادیث وارد ہیں۔ عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں کہ : ہم بارش وسخت تاریک رات میں رسول ﷺ سے یہ مطالبہ کرنے نکلے کہ وہ ہمیں نماز پڑھادیں، چنانچہ ہم ان سے ملے تو آپ ﷺ نے پوچھا:"کیا تم نے نماز پڑھ لی؟ میں نے کچھ نہیں کہا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:"کہو" پھر میں نے کچھ نہیں کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا": کہو"اور میں نے کچھ نہیں کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا": کہو"میں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ کیا کہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:" صبح وشام تین تین مرتبہ " قل هو الله أحد "اور معوذتین پڑھو یہ تمہیں ہر چیز سے کفایت کریگی(۲)۔

یہ بظاہر صبح شام کے اذکار کے ساتھ خاص ہے اور رہا فجر ومغرب میں اسے تین تین بار پڑھنا تو شاید یہ فجر ومغرب کی نماز کے لئے نہیں بلکہ صبح وشام کے لئے ہے۔ واضح

---

(۱) (احمد ۱۵۵/۴،ابوداؤد ۱۵۲۳،ترمذی ۲۹۰۳ اور اسے "حسن غریب"کہا۔نسائی ۱۳۳۶،ابن خزیمۃ ۳۷۲/۱،ابن حبان ۳۴۴/۵،امام البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابوداؤد ۱۳۴۸ میں اسے صحیح کہا ہے،اور شیخ شعیب ارنؤوط نے بھی المسند ۱۵۵/۴کی اپنی تحقیق میں اسے صحیح بتلایا ہے)۔

(۲) (احمد ۳۱۴/۵،ترمذی ۳۹۲۴،ابوداؤد ۵۰۸۲،امام البانی نے صحیح الجامع ۳۵۷۵ وغیرہ میں اسے صحیح کہا ہے)۔

رہے کہ نماز کے بعد نبی ﷺ سے واردان تمام ادعیہ واذکار کاپڑھنا سنت ہے۔یعنی اسکے کرنے پر ثواب اور اسکے ترک پر گناہ نہیں۔انکاپڑھنا فرض نہیں ہے،اگر آدمی نہیں پڑھتاہے تواس پر کوئی گناہ نہیں،البتہ وہ بہت بڑی بھلائی سے محروم ہوگا،کیونکہ نبی ﷺ سے ان دعاؤں کی فضیلت ثابت ہے۔

فائدۃ: اسی طرح نمازی کے لئے مستحب ہے کہ نماز فجر ومغرب کے بعد "لاإله إلا الله وحده لاشريک له، له الملک و له الحمد، يحی يميت، وهوعلی کل شئی قدير" مذکورہ دعاؤں کے بعد مزید دس مرتبہ پڑھے۔

اسلئے کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جس نے صبح کے وقت دس مرتبہ "لا إله إلا الله وحدَه لا شريكَ له، له الملكُ وله الحمدُ، يحيي ويُميت، وهو على كلّ شيءٍ قدير"کہا،تو اللہ اسکے حق میں ہر دفعہ کے بدلے دس نیکیاں لکھتاہے اور اسکے دس گناہ معاف کرتاہے اور دس درجے بلند کرتا ہے۔اور یہ اس کے حق میں دس گردن (غلام) آزاد کرنے کے برابر ہوجائیں گی اور وہ صبح سے شام تک اسکی حفاظت کرینگی۔وہ اس دن کوئی ایساکام نہیں کریگاجواس پر غالب آجائے اور اگر شام میں یہ کہتاہے تو بھی اسی طرح ثواب ہے"(۱)۔

---

(۱) (احمد ۵/۴۱۵،نسائی فی السنن الکبری ۹۸۵۲،ابن حبان فی صحیحہ ۲۰۲۰ یہ الفاظ انہیں کے ہیں۔ابن حجر رحمہ اللہ نے الفتح ۱۱/۲۰۵ میں اسے حسن کہاہے جبکہ البانی رحمہ اللہ نے الترغیب ۴۷۴ میں اسے صحیح کہاہے)۔

عمارۃ بن شبیب سبائی کی حدیث میں ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ": جس نے ,لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل قدير، نماز مغرب کے بعد دس(۱۰)مرتبہ کہا تو اللہ اسکے لئے محافظ بھیجتا ہے جو اسکی صبح تک حفاظت کرتے ہیں اور اس کے عوض اللہ اس کے لئے دس واجب کر دینے والی نیکیاں لکھ دیتا ہے، دس ہلاک کر دینے والے گناہ مٹا دیتا ہے، اور دس مومن غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب دیتا ہے"(۱)۔

سلام کے بعد امام کا مقتدیوں کی جانب متوجہ ہونا:

امام ہونے کی صورت میں لوگوں (مقتدیوں) کی طرف مڑے اور انکی طرف متوجہ ہو۔ سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ :"جب نبی ﷺ کوئی نماز پڑھاتے تو اپنے روئے مبارک سے ہماری جانب متوجہ ہوتے"(۲)۔زید بن خالد جھنی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، کہتے ہیں کہ :"رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں ہمیں اس بارش کے بعد فجر کی نماز پڑھائی جو رات میں ہوئی تھی، پھر نماز پوری کر کے لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے..."(۳)۔

---

(۱) (نسائی فی عمل الیوم واللیلۃ ۲۴، ترمذی ۳۵۳۴، اور کہا کہ یہ ایسی حدیث ہے جسے ہم سعد بن لیث کے علاوہ کسی سے نہیں جانتے ہیں اور عمارۃ کا سماع بھی نبی ﷺ سے ہم نہیں جانتے، البانی رحمہ اللہ نے الترغیب والترہیب ۴۷۳ میں اسے حسن کہا ہے)۔

(۲) (بخاری ۸۴۵، مسلم ۵۷۲)۔

(۳) (بخاری ۸۴۶)۔

لہذا، نماز سے فارغ ہونے اور مڑنے کے بعد لوگوں کے روبرو ہونا سنت ہے۔ واضح رہے کہ یہ مڑنا تین مرتبہ استغفار اور "اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت يا ذاالجلال والإكرام" کہنے کے بعد ہوگا جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ "نبی ﷺ جب سلام پھیرتے تو تھوڑی دیر اپنی جگہ ٹھہرے رہتے تھے"[1]۔

پھر نمازی (امام) کبھی اپنے دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف مڑے، جیسا کہ صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ انہوں نے کہا کہ: "تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کے لئے کوئی حصہ نہ رکھے کہ یہ سوچے کہ دائیں جانب ہی مڑنا ضروری ہے۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اکثر اپنے بائیں جانب مڑتے دیکھا ہے"[2]۔

مسلم کے الفاظ ہیں "أكثرَ مارايتُ رسولَ اللهِ ﷺ ينصرف عن شماله" اکثر میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے بائیں جانب مڑتے دیکھا ہے[3]۔ صحیح مسلم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ سدی نے ان سے (انس سے) نماز کے بعد مڑنے کے بارے میں پوچھا تو انس رضی اللہ عنہ نے کہا: " أَمَّا أَنَا، فَأَكْثَرُ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ

---

(۱) (بخاری ۸۴۹)۔

(۲) (بخاری ۸۵۲)۔

(۳) (مسلم ۷۰۷)۔

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهِ "رہی میری بات تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو اکثر اپنے دائیں طرف مڑتے دیکھا ہے[1]۔

معلوم ہوا کہ ہر صحابی نے جو دیکھا وہ بیان کیا۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو اکثر بائیں جانب مڑتے دیکھا جبکہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے زیادہ تر دائیں جانب مڑتے ہوئے دیکھا۔ لہذا، دونوں سنت ہیں اور بہتر یہی ہے کہ کبھی اس پر عمل کیا جائے اور کبھی اس پر۔ہاں دائیں جانب ہی مڑنے کو واجب سمجھنا مکروہ ہے کیونکہ ایک غیر واجب چیز کو واجب جاننے سے نماز میں شیطان کی حصے داری ہو جاتی ہے۔ خیر مڑنے کے بعد نبی ﷺ سے وارد دعائیں پڑھے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔

فائدۃ: نمازی کے لئے مستحب ہے کہ نماز میں اپنے قیام، رکوع، سجود اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھک کی طوالت میں برابری کی کوشش کرے۔ کیونکہ یہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے، جس میں ہے کہ :"میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیر تک بغور دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام، رکوع اور رکوع کے بعد آپکے اعتدال، سجدے و سجدوں کے بیچ بیٹھک، اسی طرح آپکے سجدے، سلام پھیرنے کے بیچ بیٹھک اور مقتدیوں کی طرف مڑنے کے درمیان قریب قریب برابری پائی"[2]۔

---

(۱) (مسلم ۷۰۸)۔

(۲) (بخاری ۸۲۰، مسلم ۴۷۱)۔

تنبیہ: اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رکوع وسجدہ سورہ بقرہ، آلِ عمران یا نساء کی قرأت کے برابر ہوتا تھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر قیام معمول سے زیادہ ہوتا تو اسی اعتبار سے رکوع وسجود کو بھی طول دیا جاتا تھا تاکہ ارکانِ صلاۃ میں تناسب رہے۔ الغرض یہاں نسبی برابری مراد ہے اور اس سے طوالت میں برابری لازم نہیں ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ طول وقصر میں بہت زیادہ تفاوت نہیں رہتا تھا، جیسے کہ آج بہت لوگ لاعلمی میں کرتے ہیں کہ ان کا قیام کافی طویل ہوتا ہے اور رکوع سجدے نہایت مختصر۔ تراویح میں بطورِ خاص ایسا ہوتا ہے، انس رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے اسی پر نکیر کی ہے کہ "میں نے کسی امام کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مقابلے مختصر اور مکمل ہو"[1]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "قریباً من السواء" سے مراد یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رکوع قیام کے برابر ہوتا تھا اور اسی طرح سجدہ اور اعتدال وغیرہ، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان میں توازن رہتا تھا۔ یعنی جب آپ ﷺ طویل قرأت کرتے تو بقیہ ارکان کو بھی طول دیتے تھے اور جب قرأت مختصر ہوتی تو دیگر ارکان میں بھی اختصار سے کام لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ وہ نمازِ فجر میں سورہ "صافات" پڑھتے تھے اور سنن میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی ﷺ کے سجدوں کا اندازہ لگاتے تو دس تسبیحات کے بقدر پاتے تھے۔

---

(۱) (الصلاۃ وأحکام تارکھاص:۱۷۹، معمولی تصرف کے ساتھ)۔

اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ جب سورہ صافات کے علاوہ کوئی چھوٹی سورت پڑھتے تو دس تسبیحات سے کم پڑھتے تھے، جیسا کہ سنن ہی میں تین تسبیحات کا بھی ذکر ہے[1]۔

❁❁❁

(۱) (فتح الباری ۲/۲۸۹)۔

سننِ رواتب

ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ظہر سے پہلے چار رکعت، ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت، عشاء کے بعد دو رکعت اور نماز فجر سے پہلے دو رکعت پڑھنا مشروع ہے۔ یہ کل بارہ رکعتیں ہوئیں جو پانچوں فرض نمازوں کے ساتھ بطور نفل پڑھی جاتی ہیں۔ کیونکہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے دن اور رات میں فرض کے علاوہ بارہ رکعت سنت پڑھی تو اللہ اسکے لئے جنت میں محل تعمیر کرتا ہے، یا اسکے لئے جنت میں محل تعمیر کیا جاتا ہے"[۱]۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے: "ظہر سے پہلے چار رکعت، اسکے بعد دو رکعت، مغرب بعد دو رکعت، عشاء بعد دو رکعت اور فجر سے پہلے دو رکعت"[۲]۔

ان بارہ رکعتوں کو "سنن رواتب" کہا جاتا ہے جو فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں اور جن کا چھوڑنا مکروہ ہے کیونکہ نبی ﷺ حالتِ قیام (مدینہ میں قیام) میں انکی پابندی کرتے تھے، البتہ حالتِ سفر میں نہیں پڑھتے تھے، لیکن فجر کی سنت اور نمازِ وتر کی پابندی سفر و حضر دونوں میں ثابت ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "نبی ﷺ نوافل میں سے کسی چیز کی فجر کی دو رکعتوں سے بڑھ کر پابندی نہیں کرتے تھے"[۳]۔

---

(۱) (مسلم ۷۲۸، ایک روایت میں, تطوعاء ہے)۔

(۲) (ترمذی ۴۱۵)۔

(۳) (بخاری ۱۱۶۹)۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ :"فرض کے علاوہ رات کی نماز آپ ﷺ اپنی سواری پر اشارے سے ادا فرماتے تھے اور سواری ہی پر وتر بھی پڑھتے تھے اس کا چہرہ کسی بھی جانب ہو"(۱)۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر ایک باب باندھا ہے۔"باب الوتر فی السفر" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمہ (باب الوتر فی السفر) سے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ سفر میں وتر مسنون نہیں ہے (۲)۔اور اس میں ہمارے لئے بہترین اسوہ ہے۔جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: {لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ} (۳)۔یقینا تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ ہے۔اور ارشاد نبوی ﷺ ہے:(صلّوا كما رأيتموني أصلّي)۔تم ویسے ہی نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو(٤)۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ :"نبی ﷺ سے یہ منقول نہیں ہیکہ آپ ﷺ نے سفر میں کبھی سنت ادا کیا ہو سوائے فجر کی سنتِ راتبہ اور وتر کے "(۵)۔

---

(۱) (بخاری ۱۰۰۰، مسلم ۷۰۰)۔

(۲) (فتح الباری ۲/۴۸۹)۔

(۳) [الاحزاب:۲۱]۔

(٤) (بخاری ٦۳۱ بروایت مالک بن حویرث)۔

(۵) (الفتاوی ۲۲/۲۸۰)۔

سنتِ موکدہ کہاں پڑھی جائے:

افضل یہی ہیکہ سننِ رواتب اور وتر کو گھر میں پڑھا جائے۔ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی نمازوں میں سے کچھ تم اپنے گھروں میں ادا کرو اور انہیں قبر نہ بناؤ"[۱]۔زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں چٹائی کا حجرۃ (کمرہ) بنایا۔راوی کہتے ہیں کہ میرے خیال سے وہ حصیر کا تھا۔تو آپ ﷺ نے اس میں چند رات نماز پڑھی اور صحابہ کرام نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔جب آپ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ گھر میں بیٹھ گئے پھر نکلے اور فرمایا: میں نے تمہارے کارنامے دیکھے ہیں، لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو،اسلئے کہ آدمی کی افضل نماز اسکے گھر کی ہے سوائے فرض نماز کے[۲]۔

لیکن اگر کوئی مسجد میں پڑھتا ہے تو اسمیں کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "آدمی کی سب سے بہتر نماز اسکے گھر کی نماز ہے سوائے فرض نماز کے"[۳]۔ معلوم ہوا کہ گھر کی نماز افضل ہے اور یہ افضیلت وجوب کا تقاضہ نہیں کرتی، ہاں گھر میں پڑھنا بہتر ہے اور اگر کسی نے مسجد میں ادا کیا تو بھی کوئی قباحت نہیں۔

---

(۱) (بخاری ۴۳۲، مسلم ۷۷۷)۔

(۲) (بخاری ۷۳۱)۔

(۳) (بخاری ۷۲۹۰، مسلم ۷۷۷)۔

سنتِ موکدہ کی فضیلت:

ان بارہ رکعت سنتوں کی پابندی دخول جنت کے اسباب میں سے ہے۔ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہیکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے دن اور رات میں بارہ رکعت ادا کی ،توانکے بدلے جنت میں اسکے لئے محل تعمیر کیا جاتا ہے"[۱]۔اگر عصر کی نماز سے پہلے چار رکعت پڑھتا ہے تو بہتر ہے۔کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھی "[۲]۔

اسی طرح مغرب سے پہلے بھی دو رکعت ادا کرنا بہتر ہے۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ : "جب مؤذن اذان دے دیتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگ کھمبوں کی طرف تیزی سے بڑھ کر کھڑے ہو جاتے ،یہانتک کہ نبی ﷺ نکلتے،(صحابہ) اسی حال میں رہتے اور مغرب (فرض نماز) سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے تھے[۳]۔

---

(۱) (مسلم ۷۲۸)۔

(۲) (احمد ۱۱۷/۲،ابوداؤد ۱۲۷۱،ترمذی ۴۳۰ انہوں نے اسے حسن کہا ہے۔ابن حبان ۲۰۲/۶،طیالسی ۲۶۲/۱،امام البانی رحمہ اللہ نے صحیح ترمذی ۴۳۰ میں اسے صحیح کہا ہے اور ارنووط نے بھی مسند کی اپنی تحقیق میں ۱۱۷/۲)۔

(۳) (بخاری ۶۲۵، مسلم ۸۳۷)۔

نمازی عشاء کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھ لے تو اور بہتر ہے، کیونکہ نبی ﷺ سے ثابت حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ عبد اللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "ہر دو اذانوں (اذان و اقامت) کے بیچ نماز ہے، ہر دو اذانوں کے بیچ نماز ہے، پھر تیسری مرتبہ میں فرمایا جو شخص چاہے"[۱]۔

اسی طرح اگر ظہر بعد اور ظہر سے پہلے چار چار رکعت پڑھ لے تو بھی اچھا ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "جس نے ظہر سے پہلے چار رکعت اور ظہر کے بعد چار رکعت پر پابندی کی وہ جہنم پر حرام ہو گیا"[۲]۔ اس کا مطلب یہ کہ ظہر کے بعد دو رکعت سنت راتبہ میں مزید دو رکعت کا اضافہ کرے، کیونکہ ظہر میں سنتِ راتبہ، ظہر سے پہلے چار رکعت اور ظہر کے بعد دو رکعت ہے، پھر نماز ظہر کے بعد جب مزید دو رکعت کا اضافہ کریگا تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ حدیث کی مذکورہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

❁❁❁

---

(۱) (بخاری ۶۲۷، مسلم ۸۳۸)۔

(۲) (احمد ۳۲۶/۶، ترمذی ۴۲۷، نسائی ۱۸۱۵، ابوداؤد ۱۲۶۹، ابن ماجہ ۱۱۶۰، حاکم فی المستدرک ۴۵۶/۱، طبرانی فی الکبیر ۲۳۳/۲۳، مسند الشامیین ۳۴۷/۲، ابن خزیمۃ ۱۱۹۲، ۱۱۹۱ اسے انہوں نے صحیح کہا ہے۔ اسی طرح امام البانی رحمہ اللہ نے بھی صحیح الجامع ۶۱۹۵ میں اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

خاتمہ

اب یہاں یہ مبارک رسالہ اپنی آسان سی شرح کے ساتھ اللہ کی توفیق سے مکمل ہوا۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اسکے سوا اور کوئی توفیق نہیں دے سکتا جیسا کہ ارشاد باری ہے ﴿ وَمَا تَوۡفِيقِيٓ إِلَّا بِٱللَّهِۚ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَإِلَيۡهِ أُنِيبُ ﴾[1]۔ (میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں)۔ کسی شاعر نے کیا ہی سچ کہا ہے: إذا لم يكن عونٌ مِن الله للفتى فأوّلُ مايجنى عليه اجتهادُه

اگر بندے کیلئے اللہ کی مدد شاملِ حال نہ ہو تو خود اس کی محنت ہی اسکے لئے وبال جان بن جاتی ہے۔

اللہ کی رحمت اور سلامتی نازل ہو ہمارے نبی محمد بن عبداللہ پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آل واصحاب اور قیامت تک آپکی سچی پیروی کرنے والوں پر۔ ارحم الراحمین تو ہمیں بھی اپنے فضل وکرم سے انہیں کے ساتھ کردے۔

از: ادارات البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ والارشاد

کے عام رئیس فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز۔

اللہ ان پر ڈھیر ساری رحمتیں نازل کرے اور علیین میں اعلی ترین مقام عطا کرے۔ اس مبارک رسالہ کی شرح ومراجعہ کا عمل بروز بدھ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ کو اپنے اختتام کو پہونچا۔

حامداً ربي مصلياً مسلماً على نبينا محمّد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

(۱) [ہود:۸۸]۔

فہرست کتاب

تقریض 4
تقدیم 5
مقدمہ 8
علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کی مختصر سوانح حیات۔ 12
مؤلف کے پیش لفظ کی شرح 17
وضوء کا بیان 34
استقبالِ قبلہ 38
نماز میں نیت 47
سترہ کے احکام 51
تکبیرِ تحریمہ 56
تکبیر کے لئے رفع الیدین 60
حالتِ قیام میں ہاتھ رکھنے کا بیان 62
دعاءِ استفتاح 66
نماز میں اعوذ باللہ و بسم اللہ پڑھنا 70
سورہ فاتحہ پڑھنا 74
رکوع 83
رکوع سے اٹھنا 91

سجدے کے احکام 99

سجدوں کے درمیان بیٹھنا 110

سجدہ ثانیہ کے احکام 118

سجدے سے سر اٹھانااور جلسۂ استراحت 120

تشہد کے لئے بیٹھنااور سلام پھیرنا 124

تشہدِ اول 142

نماز کے بعد کی دعائیں 148

سنن رواتب 163

خاتمہ 168

❀❀❀

۱۔ فضائلِ استقامت اور اس کی رکاوٹیں (مطبوع) تالیف: شیخ مسند قحطانی
ترجمہ: مصطفی بشیر مدنی

۲۔ اہلِ سنت کے کچھ اوصاف (مطبوع) تالیف: شیخ مسند قحطانی
ترجمہ: مصطفی بشیر مدنی

۳۔ بدعت سے متعلق روشن باتیں (غیر مطبوع) تالیف: د. عبداللہ جربوع
ترجمہ: مصطفی بشیر مدنی

۴۔ دینِ اسلام کی پچاس خوبیاں (مطبوع) تالیف: شیخ مسند قحطانی
ترجمہ: مصطفی بشیر مدنی

۵۔ الجهود التربوية للشيخ مختار احمد الندوی
(رسالة ماجستير بالجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة)

۶۔ مسکراہٹ اسباب و آثار (مطبوع) مؤلف: مصطفی بشیر مدنی

۷۔ نمازِ باجماعت کے ۴۰ فائدے (مطبوع) تالیف: شیخ مسند قحطانی
ترجمہ: مصطفی بشیر مدنی

۸۔ میں ہوں اسلام (غیر مطبوع) جمع و ترتیب: ڈاکٹر جمال ہمیلی
مترجم: مصطفی بشیر مدنی

۹۔ راہ نما: زائرینِ مدینہ کی رہنمائی کے لئے ایک بہترین تحفہ (غیر مطبوع)
تیار کردہ: علمی کمیٹی برائے رہنمائی زائرینِ مدینہ
ترجمانی: مصطفی بشیر مدنی